بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ — ۱۰ مئی ۲۰۲۲ء مطابق ۸ شوال المکرم ۱۴۴۳ھ — شمارہ نمبر ۱۳

اس شمارے میں

شعروادب رحمتِ بے مثال کی لذت	مولانا محمد احمد پرتاپگڈھیؒ	۴
اداریہ رمضان کے بعد روحانی تربیت	شمس الحق ندوی	5
فراستِ مومن مسلمان کی اصل طاقت و قیمت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
انعام ربانی سرور کونینؐ سے خطاب مبارک	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۲
حیات جاوداں جنت اور جنت کی قسمیں	تحریر: شیخ علی طنطاویؒ	۱۵
حالات حاضرہ دینی بیداری کے بغیر کچھ ممکن نہیں	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۸
محاسن اسلام تواضع وخوش اخلاقی	مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ	۲۱
راہ عمل مسلمانوں کو ایمان پر ثابت قدم رکھنا	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۲
حکمت وموعظت ہلال عید یا صبح امید	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۵
فکرونظر حجاب اور شرعی وملکی قانون	ارشد علی ندوی	۲۷
یاد رفتگاں شعراوی-عہد جدید کا مفسر ومبلغ	وصی احمد الحریری ندوی	۳۰
فقہ و فتاویٰ سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۲

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ₹30/= جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

رحمتِ بے مثال کی لذت

مولانا محمد احمد پرتاپگڈھیؒ

کون جانے جمال کی لذت • کون سمجھے جلال کی لذت
ہجر میں ہے وصال کی لذت • نقص میں بھی کمال کی لذت
روح پر وجد ہوگیا طاری • اللہ اللہ سوال کی لذت
ہے محبت سے جو بھی بیگانہ • جانے کیا ملال کی لذت
ہو گئی تیز عشق کی پرواز • قال میں اب ہے حال کی لذت
ہر بن مو پہ کیف طاری ہے • واہ رے امتثال کی لذت
غم میں بھی بخشتی ہے کیف و سرور • ذہن کے انتقال کی لذت
دولت بندگی جسے نہ ملی • جانے کیا عرض حال کی لذت
کیا انوکھی ہے کیا نرالی ہے • عشق میں احتمال کی لذت
جس نے چکھی نہیں وہ کیا جانے • ہے عجب انفعال کی لذت
رکھتی ہے ان کے در پہ سربہ سجود • مقصد بے مثال کی لذت
روح اڑنے لگی مسرت سے • اف صدائے تعال کی لذت
عاصیوں نے بھی خوب ہی لوٹی • رحمت ذوالجلال کی لذت
ان کے ذکر لطیف کے آگے • گرد ہے کیف و حال کی لذت
کاش ملتی مجھے مقدر سے • سوزِ عشق بلالؓ کی لذت
ان کا جو ہوگیا وہ پاتا ہے • رحمتِ بے مثال کی لذت
عشق والے ہی اس کو پاتے ہیں • روز و شب ماہ و سال کی لذت
لذت بندگی کے سامنے ہے • ہیچ سب حال و قال کی لذت
بندۂ خاص حق کو ملتی ہے • دولت لازوال کی لذت

مست رکھتی ہے رات دن احمدؔ
مجھ کو ان کے خیال کی لذت

اداریہ

رمضان المبارک کے بعد روحانی تربیت کا خدائی نظام

شمس الحق ندوی

رمضان المبارک میں مسلمانوں کو، مردوں اور عورتوں سب کو جو عاقل و بالغ ہوں، بیمار اور بہت زیادہ بوڑھے نہ ہوں کہ بھوک پیاس برداشت نہ کرسکیں، روزہ رکھنے کا حکم تھا، اس روزہ کا مقصد صرف بھوکا پیاسا رہنا نہ تھا، بلکہ اس سے ایک خاص روحانی تربیت مقصود تھی کہ جس طرح بندہ نے زندگی کے سارے مشاغل و ہنگاموں کے ساتھ پورا ایک مہینہ ہر قسم کی احتیاط کے ساتھ گزارلیا لڑائی جھگڑے اور غیبت و بدکلامی سے بچا، کسی پر ظلم کرنے، کسی کا حق مارنے اور دھوکا دینے سے دور رہا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے میں حوصلہ مندی دکھائی، ناچ گانے اور دوسرے برے کاموں سے بچا، اگر وہ ہمت سے کام لے اور عزم کرے تو پوری زندگی اسی طرح گزار سکتا ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کے درمیان ایک ایسے مثالی اور نمونہ کا سماج و معاشرہ دکھا سکتا ہے، جس کا ہر شخص دوسرے شخص کا ہمدرد اور بھلائی چاہنے والا ہوتا ہے۔

رمضان گزر جاتا ہے تو سال بھر کے بعد آتا ہے، رمضان میں جو مشق و تربیت ہوئی تھی اگر دوسرے طریقوں سے اس کو تازہ نہ کیا جاتا رہے تو انسان جس میں بھول و غفلت فطری طور پر رکھی گئی ہے، دنیا کے جھمیلوں میں جہاں طرح طرح کے خطرات کبھی جاہ و منصب کی شکل میں، کبھی شہرت و ناموری کی صورت میں، کبھی حرام و حلال کا فرق کیے بغیر مال و دولت جمع کرنے کی حرص و ہوس کی شکل میں سامنے آکر رمضان المبارک کی تربیت کے اثر کو کمزور کرنے لگتے ہیں۔

دوسری صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس تربیت کو باقی رکھنے کا انتظام حج کی شکل میں کیا ہے، یہ حج رمضان المبارک کے صرف سوا دو ماہ کے بعد آجاتا ہے، حج اگر چہ ہر مسلمان نہیں کرسکتا لیکن اس سے ایک دینی ماحول قائم ہوجاتا ہے، جو مسلمان حج کو نہیں جاسکے، ان میں جو صاحب نصاب ہیں، ان پر وہ قربانی فرض کرکے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری رکھ کر پیش کی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک دنبہ بھیج کر کرائی تھی اور فرمایا تھا: "یَا اِبْرَاھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذَالِكَ نَجْزِیْ الْمُحْسِنِیْنَ"۔

حج کے ابتدائی دس دنوں میں جب تک قربانی نہ کرلیں، حاجیوں کی مشابہت اپنانے کے لیے بال کٹوانے، ناخن ترشوانے سے رکے رہتے جو مسلمان قربانی کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کے لیے ان دس دنوں کی خیر و برکت روزہ و نوافل کے ذریعہ حاصل کرنے کے لیے رحمت خداوندی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

حاجی حج میں صفا و مروہ کی وہ سات سعی بھی کریں گے جو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے معصوم بچے حضرت اسماعیل کے لیے پانی کی تلاش میں کی تھی، پھر منیٰ و عرفات کے آداب بجالائیں گے اور رمی جمار کرکے شیطان کو اتنا ذلیل کریں گے جتنا وہ کبھی نہیں ہوتا۔

زیادہ تفصیل میں نہ جاکر میدانِ عرفات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا فرمائی تھی، اس کا ذکر کرکے حج کی فضیلت اور حاجیوں کے گناہوں سے پاک ہوجانے کی روح بیان کرتے ہیں۔

تصور کیجیے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کفن بردوش انسانوں کا مجمع ہے، خدا کی شانِ لبیک اور حجاج کی دعاؤں سے فضا گونج رہی ہے، بے نیازی اور عظمت و جبروت کا نقشہ سامنے ہے، انسانوں کے اس جنگل میں ایک برہنہ احرام پوش ایسا بھی ہے (فداہ أبی و أمی) جس کے کاندھوں پر ساری انسانیت کا بار ہے جو ہر دیکھنے والے سے زیادہ خدا کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کررہا ہے، اور ہر جاننے والے سے زیادہ انسانوں کی درماندگی، بے حقیقی اور بے بسی سے واقف ہے، اس پُرتاثیر اور پُرہیبت فضا میں اس کی آواز بلند ہوتی ہے، اور سننے والے سنتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِیْرُ وَالْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ وَالْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِہٖ اِلَیْکَ اَسْأَلُکَ مَسْأَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَدُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ وَ ذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ، رَبِّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَآئِکَ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا یَاخَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ یَاخَیْرَ الْمُعْطِیْنَ۔ (اے اللہ! آپ میری بات سنتے ہیں، میرا مقام دیکھتے ہیں، میرے کھلے چھپے سب کو جانتے ہیں، میرا کوئی حال، کوئی معاملہ، کوئی ضرورت آپ سے پوشیدہ نہیں۔ میں انتہائی مصیبت زدہ اور بالکل فقیر ہوں، میں آپ سے فریاد کرتا ہوں اور پناہ طلب کرتا ہوں، کانپتا ہوں اور ڈرتا ہوں، آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں۔ میرا سوال ایک مسکین کا سوال ہے، گڑگڑا رہا ہوں کہ سخت ذلیل گناہگار ہوں، آپ کو پکار رہا ہوں کہ ڈر کا مارا اور نقصان زدہ ہوں۔ میری گردن آپ کے آگے جھکی ہوئی ہے، جسم آپ کے سامنے ذلیل ورسوا ہے، ناک آپ کے سامنے خاک آلود ہے، اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ایسا نہ کیجیے کہ آپ سے مانگنے کے بعد میں بدبخت رہوں، مجھ کو اپنی رحمت وشفقت سے ڈھانپ لیجیے۔ اے سب سے بہتر جس سے مانگنے والا مانگے، اے سب سے بہتر عطا کرنے والے)۔

کیا خدا کی کبریائی وعظمت اور اپنی ناتوانی وبے نوائی، فقر واحتیاج، عجز ومسکنت کے اظہار واقرار کے لیے اور رحمت خداوندی کو جوش میں لانے کے لیے اس دعا سے بڑھ کر جو آپ نے حج کے موقعہ پر کی، حج کے خیر وبرکت کا کوئی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس کے بعد حاجی کیوں نہ گناہوں سے ایسا گناہوں سے ایسا پاک ہوجائے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور بھی جو تفصیلات اوپر بیان ہوئیں، کیا ان سے بڑھ کر روحانی تربیت کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

ہم سب کو ایک عملی سیرت کی حاجت

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے، وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل ودماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمالِ قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں، ہر آن ہم ایک نئی قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، کبھی ہم راضی ہیں کبھی ہم خفا، کبھی خوش ہیں کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہوتے ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالامال، کبھی ہم ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہیں، اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہیں جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے، ان سب کے لیے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے، جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو جو انہیں راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر مدینہ کا بے نفس انسان گذر چکا ہے۔

عزم واستقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، تقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغناء، جود، تواضع، انکساری، مسکنت، غرض نشیب وفراز، بلند وپست، ہر ایک اخلاقی پہلو کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں، ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، حضرت موسیٰؑ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے، مگر نرم اخلاق نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے یہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے، مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسان کو اس دنیا میں دونوں قوتوں کی معتدل حیثیت سے ضرورت اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

☆☆☆

فراستِ مومن

مسلمان کی اصل طاقت و قیمت: ایمان و سیرت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ، وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ" [الانفال:۲۹] (مومنو اگر تم خدا سے ڈروگے، تو وہ تمہارے لیے امر فارق پیدا کردے گا، (یعنی تم کو ممتاز کردے گا) اور تمہارے گناہ مٹادے گا، اور تمہیں بخش دے گا، اور خدا بڑے فضل والا ہے)۔

مسلمان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت عام انسان کی ہے، جس قانون اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ضابطہ کے مطابق سب انسان دنیا میں آتے ہیں، وہ بھی دنیا میں آیا ہے، وہی اعضائے انسانی، وہی جسم اور جسم کے تقاضے، جسم کی کمزوریاں، جسم کی بیماریاں لے کر کے آیا ہے، جو انسانوں میں مشترک ہیں قانون فطرت اس کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے، وہ بچہ سے جوان ہوگا، جوان سے بوڑھا ہوگا، پھر ایک وقت عمر طبعی کو پہنچنے کے بعد (اگر اللہ کو منظور ہوا) اس کا اخیر وقت بھی آئے گا، اور وہ کیسا ہی عبادت گزار، خدا ترس، کیسا ہی زبردست عالم فاضل ہو، مصنف ہو، مفکر ہو، فلسفی ہو، دانش ور ہو، صاحب کشف و کرامات ہو، اس کو دنیا سے جانا ہے: "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" (اللہ تعالیٰ نے یہ صاف فرمایا ہے، تو پھر مسلمان کا استثنا کیسے ہوسکتا ہے)۔

مسلمان کے دو وجود

ایک وجود مسلمان کا انسانی وجود ہے، فطری وجود ہے، جسمانی وجود ہے، اس کے لحاظ سے وہ عام انسانوں کی طرح ہے، اس کو کھانے کی بھی ضرورت ہے، کمانے کی بھی ضرورت ہے، کھانے کے لیے کمانے کی ضرورت، کمانے کے لیے کھانے کی ضرورت ہے، سونے کی، صحت کا خیال رکھنے کی، حفظان صحت کے اصولوں پر چلنے کی ضرورت ہے، بیمار ہوجائے، تو دوا علاج کی ضرورت ہے، کمزور ہوجائے تو اچھی غذا اور طاقت ور دواؤں کی ضرورت ہے، سردی میں سردی کا لباس پہننے کی ضرورت ہے، گرمی میں گرمی کا لباس رکھنے کی ضرورت، مکان کی ضرورت اور سیکڑوں ضرورتیں ہیں، جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، یہ اس کا انسانی وجود ہے، اس میں وہ قانون قدرت کے ماتحت ہے، اسی طرح سے وہ قانون قدرت کا غلام ہے، جیسے دنیا کے تمام انسانی وجود، اور نوع انسانی کے تمام افراد، آدم کی ساری اولاد ہے، کوئی استثنا اس میں نہیں ہے، یہاں تک کہ خدا کے پیغمبر بھی کھاتے پیتے تھے، اور یہ طعنہ دیا گیا تھا: "مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ" (یہ کیسا رسول ہے، کھاتا پیتا ہے، اور بازار میں چلتا پھرتا ہے) اس لحاظ سے مسلمان میں کوئی ایسی غیر معمولی طاقت اور کوئی ایسا امتیاز نہیں ہے کہ دنیا میں دوسرے ذلت کے ساتھ رہیں اور وہ عزت کے ساتھ رہے، دوسرے ناکام ہوں اور وہ ہمیشہ کامیاب ہو، دوسرے مفتوح بنیں، اور وہ ان سب کا فاتح ہو، دوسرے محکوم ہوں اور وہ ان کا حاکم ہو، اور زمین، آسمان اور کائنات ساری اس کے ارادے اور اس کی منشا کا احترام کرے، اس کے لیے راستہ صاف کرے، سمندر اس کے لیے پایاب ہوجائیں، دریاؤں میں سے راستہ اس کے لیے نکال دیا جائے، پہاڑ اس کا راستہ روکنے سے ہٹ جائیں، اس مسلمان کے (جیسا ہمارے یہاں کہتے ہیں) کچھ سُرخاب کے پر نہیں لگے ہیں، قانون قدرت اس پر ویسے ہی جاری، وساری ہوگا، جیسے تمام انسانوں، وجودوں اور تمام انسانی اجسام پر جاری ہوا کرتا ہے، غلطی کرے گا سزا پائے گا، بد پرہیزی کرے گا بیمار ہوجائے گا، کمزوری دکھائے گا، مار کھائے گا، آنکھ جھپکے گی پٹ جائے گا، ہاتھ پاؤں نہیں چلائے گا، محنت نہیں کرے گا، تو بھوکوں مرنے لگے گا، اس میں اس کے اور انسانی کنبہ کے دوسرے افراد میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن ایک دوسری حیثیت ہے، وہ حیثیت اگر اس کے ساتھ قائم ہوجائے گی تو وہ پھر وہ انسان رہتے ہوئے بھی کچھ اور چیز بن جاتا ہے، پھر اس کا معاملہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوجاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر بن جاتا ہے، اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قانون کو جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلے آرہے ہیں، بعض اوقات معطل، بعض اوقات مؤخر کردیتا ہے، اور اس کو غالب کرتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، اس کو فتح فرماتا ہے، اس کو نیک نامی بخشتا ہے، اس کو فاتح اور منصور بناتا ہے، یہ حیثیت ارادی اور اضافی ہے، یعنی اس کے لیے فیصلہ اور اضافہ کی ضرورت ہے، کوئی اپنے ساتھ لے کر کے نہیں آتا اس کو، ماں کے پیٹ سے، جہاں سے جسمانی اعضاء لایا ہے، ایسے ہی ایمان اور شریعت کی پابندی بھی لایا ہے، اس کو کسی ارادہ کی، فیصلہ کی ضرورت نہیں، وہ تو اس کے ساتھ گویا جسم کا ایک حصہ ہے، اب اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی ایک موروثی اور پیدائشی چیز ہے، ایسا نہیں ہے۔

ٹارچ کی قیمت اس کے سیلز سے ہے

اس کی موٹی سی مثال میں آپ کو دیتا ہوں، یہ ٹارچ ہے، اس میں سیلز رکھے جاتے ہیں، اگر قسمت سے سیلز رکھ دیے گئے، اور مسالہ بھی بھر دیا گیا تو اس ٹارچ میں اس ٹارچ میں خالی ہے، زمین وآسمان کا فرق ہوگا، یہ ٹارچ کہلائے گی، یہ اندھیرے میں اجالا کردے گی، روشنی کا ایک تیز دھارا اس میں سے نکلے گا، یہ ہاتھ میں ہوگی تو آدمی ٹھوکر کھانے سے بچے گا، دیوار سے ٹکرا جانے سے بچے گا، کسی سوتے ہوئے بچے پر پاؤں رکھ کر چلے جانے سے بچے گا، اور معلوم ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک بڑی طاقت ہے۔

"اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا" [الانعام:۲۲۱] (بھلا جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کردی، جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کہیں اس شخص جیسا ہوسکتا ہے، جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو، اس سے نکل ہی نہ سکے؟)۔

اللہ تعالیٰ نے (جیسے کوئی ہجے کرکے بتاتا ہے) ہجے کرکے بتایا ہے، اور دو اور دو چار اس طریقہ سے سمجھایا ہے، بھلا وہ جو مردہ تھا "اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ" (ہم نے اس کو زندہ کیا)، اور اتنا ہی نہیں "وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ" (ہم نے اس کو ایک روشنی عطا کی جس کے سہارے سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے) "كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا" (کیا وہ اس کی طرح ہوسکتا ہے کہ جو اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے، نکلنے کا اس کو کوئی راستہ ہی نہیں ملتا)۔

مسلمان پر بھی فطری واخلاقی قانون نافذ ہے

مسلمان بحیثیت انسان کے عام انسانوں کی طرح ہے، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے، کوئی ٹھیکہ نہیں ہے، خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں ہے، کہ وہ غلطی کرے جب بھی ٹھیک، اس کی چت بھی اور پٹ بھی چت، خدا کے یہاں اندھا قانون نہیں ہے، جیسے انسانوں کے یہاں کا ہوتا ہے کہ برہمن کے یہاں پیدا ہوگیا تو برہمن ہے، کوئی اس کو شرف و عزت سے محروم نہیں کرسکتا، وہ الٹا کرے تو سیدھا، اور سیدھا کرے تو سیدھا، بس اس کی ہر بات برہمن کی بات ہے، برہمن کی بات ہی اور ہوتی ہے، میں سیدوں کا، شیوخ کا نام بھی لے سکتا ہوں، آپ سید صاحب ہیں، سید کے گھر پیدا ہوئے ہیں، اب ان کے ستر خون معاف ہیں، اب یہ جو چاہیں کریں، ظلم کریں تو ظلم نہیں، جرم کریں تو جرم نہیں، غلطی کریں تو غلطی نہیں، دو دو چار کہنے کے بجائے پانچ کہیں تو ماننا چاہیے، اس لیے کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ دو دو مل کر پانچ ہوتے ہیں، یہ کسی معمولی آدمی نے نہیں کہا، ان کے اندر سارے اخلاق رذیلہ پائے جائیں، ان کے اندر قساوت ہو، سنگ دلی، ظلم کا مادّہ ہو، کوئی حرج نہیں، میں سب پر ایک حکم نہیں لگاتا، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تصور جو کسی اونچے خاندان میں پیدا ہوجائے تو پھر وہ دنیا سے الگ ہے، اور اس پر خدا کا قانون اور عقل کا قانون نہیں چلتا، وہ قانون سے بالاتر ہے، جیسے شاہانِ ایران جن کے یہاں سیکڑوں برس سے موروثی سلطنت چلی آرہی تھی، کیانی خاندان تھا، ساسانی خاندان تھا، رومن ایمپائر کے جو تاجدار ہوا کرتے تھے، وہ ماں کے پیٹ سے شہزادے ہی ہوکر پیدا ہوا کرتے تھے، اسلام کا معاملہ، اور خدا کے دین کا معاملہ یہ نہیں ہے، ایمان اور تقویٰ ایک ارادی واضافی چیز ہے جو بالارادہ ہوتا ہے، اور اس کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

پاور ہاؤس سے کنکشن ضروری ہے

دیکھئے یہ بلب ہے، یہ وائرنگ ہے، وائرنگ بالکل صحیح ہے، لیکن اس کا پاور ہاؤس سے کنکشن نہیں ہے، اور وہ کرنٹ اس میں نہیں آتا تو اگر اس کی وائرنگ آپ ریشم کی کریں، اور سونے کے تار لگائیں، لیکن کنکشن نہیں ہے، بجلی کی رو اس میں نہیں آرہی ہے تو سب بیکار ہے، روشنی ہے، نہ کوئی فائدہ ہے، معاملہ ٹارچ میں سیلز اور مسالہ رکھنے کا ہے، یہ مسالہ بارگاہ نبوت سے ملتا ہے، اس کے لیے ایک ہی جگہ، ایک ہی ٹھکانہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اب وہ سیلز اور کہیں نہیں مل سکتے، نہ امریکہ میں، نہ روس میں، نہ دنیا کے کسی کارخانہ میں، وہ ایمانی سیلز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں، وہ اگر آپ ٹارچ میں رکھتے ہیں، فِٹ کردیتے ہیں، تو ذرا سا بٹن دبایئے، ذرا سا ہاتھ کا اشارہ کیجیے اور روشنی کی ایک تیز رو نکلے گی، جس سے آپ کو بھی راستہ نظر آئے گا، دوسروں کو بھی راستہ نظر آئے گا، اور اس کی یہی قیمت ہے کہ یہی اسلام کی شان ہے کہ جب وہ سیلز بھر دیے جاتے ہیں، تو صرف اس مسافر ہی کو جس کے ہاتھ میں وہ ہے جو اس کا مالک ہے، اسی کو راستہ نظر نہیں آئے گا بلکہ بیسیوں جو بالکل اندھوں کی طرح راستہ چل رہے تھے، ان کو بھی راستہ نظر آنے لگے گا، یہ ہے مسلمان کی شان۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا" [الانفال:۹۲] (اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈروگے اور اس سے شرم کروگے اس کا لحاظ کروگے اور اس کے احکام کا احترام کروگے، اس کی

شریعت کو قبول کروگے، اس پر چلنے کا فیصلہ کروگے، اس پر عمل کرنا شروع کروگے، تو وہ تمہارے لیے امر فارق پیدا کردے گا (یعنی تم کو ممتاز کردے گا)۔

مابہ الامتیاز صفت

فرمایا: "یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا" (اللہ تم کو ایک مابہ الامتیاز چیز عطا کرے گا)، تمہاری سطح ایک دم سے بلند ہوجائے گی، تم اس پستی سے ماحول کی خرابی سے نکل جاؤگے، جب انسان اپنے کو اللہ کی روشنی سے محروم کرلیتا ہے، تو پھر اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ وہ اس ٹارچ کی طرح ہوجاتا ہے، جس کے سیلز ختم ہوچکے، یا اس میں رکھے ہی نہیں گئے، اب اس سے تو یہ لکڑی اچھی کہ اس سے ہم کتے کو مار سکتے ہیں، اس سے اپنا دفاع کرسکتے ہیں، اپنی حفاظت کرسکتے ہیں، اس ٹارچ سے تو یہ کام بھی نہیں کرسکتے، ٹارچ کی ساری قیمت اس کے سیلز ہیں، اِس کو نکال لیجیے تو اس سے لاٹھی اچھی، بندوق کے اندر کارتوس ہے، تو وہ بندوق ہے، بندوق ہے، اس کی بڑی قیمت ہے، آپ شیر کا شکار کرسکتے ہیں، لیکن اگر اس کے اندر کارتوس نہیں رکھا جاسکتا، یا کارتوس ہی خالی ہے، تو اس سے لاٹھی اچھی، جب مسلمان کے سیلز ختم ہوجائیں، جب اس کے اندر سیلز رکھے ہی نہ جائیں، یا وہ اپنی ناقدری سے، کفرانِ نعمت سے ان سیلز کو بیکار کردے تو پھر مسلمان میں اور غیر مسلم میں کیا فرق؟ پھر تو وہ غیر مسلم جو اس سے زیادہ مضبوط ہے، اچھا ہے، اس سے زیادہ پیسے والا ہے، وہ اچھا ہے، اس سے بڑی کوٹھی رکھنے والا ہے، وہ اچھا ہے، جس کی موٹر اس سے اچھی ہے وہ اچھا، اور بعض اوقات تو ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کے گھر کا کتا بھی اس سے اچھا کھاتا ہے، جیسے بہت سے انگریزوں کے یہاں کتے پلے ہوئے ہوتے ہیں، جن کو وہ ملتا ہے، جو اچھے اچھے انسانوں کو نہیں ملتا، بات صرف ہاتھ پاؤں، کان، ناک، آنکھ کی اور صورت شکل کی، اور انسان کے نام کی نہیں، جس میں جسمانی طاقت زیادہ ہوگی، وہ اس سے بڑا، جس کے پاس پیسے زیادہ ہوں گے وہ اس سے بڑھا، اور جس کے پاس اونچی کوٹھی ہوگی وہ اس سے چڑھا، پھر تو سارا معاملہ اس پر آگیا کہ کس کے پاس پیسے زیادہ ہیں، کس کے پاس طاقت زیادہ ہے؟

مسلمانوں کی اصل طاقت

ہم مسلمانوں کی جو اصل خصوصیت، ہمارا مابہ الامتیاز، ہمارا سرمایہ، ہمارا فخر، ہماری طاقت ہے وہ سیلز تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے یہاں سے لے کر آئے ہیں، اور انسانوں کے دماغ اور انسانوں کے دل کے اندر رکھے، دماغ میں بھی سیلز رکھے ہیں، اور دل میں بھی، ایمان کا کچھ تعلق انسان کے ضمیر اور قلب سے ہے، کچھ انسان کے دماغ اور فکر سے ہے، اس سے خاص طرح کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، خاص طرح کا طرزِ عمل، زندگی کا رویّہ اور مسلک پیدا ہوتا ہے، خاص طرح کے برتاؤ کرنے کا طریقہ آتا ہے، خالق کی معرفت ہوتی ہے، مخلوق سے محبت ہوتی ہے، خدا کا خوف ہوتا ہے، بندوں کی شرم ہوتی ہے، اللہ کا ڈر اور اس کی محبت ہوتی ہے، اور انسانوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے، غریبوں پر آدمی رحم کھاتا ہے، بے ایمانی سے بچتا ہے، چوری سے پناہ مانگتا ہے، اس کو جرائم سے ظلم سے گھن آتی ہے، بالکل سیرت ہی بدل جاتی ہے، یہ کس کا کرشمہ ہے، یہ ان سیلز کا کرشمہ ہے۔

معنوی خودکشی

مسلمان اپنے کو ان سیلز سے محروم کردے تو یہ معنوی خودکشی ہے، جیسے کوئی زہر کھا کر مرجائے، یا کوئی گلے میں پھندا ڈال کر کے اپنا گلا گھونٹ لے، مسلمان ہے، لیکن اس کے اندر ایمان کے وہ سیلز نہیں ہیں، عقیدہ کے وہ سیلز نہیں ہیں، وہ "فرقان"، نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا" [الانفال:۹۲] (مومنو اگر تم خدا سے ڈروگے تو وہ تمہارے لیے امر فارق پیدا کردے گا)۔

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرنے لگوگے، اور احتیاط کی زندگی گزاروگے، آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کروگے، اِدھر چلو، اُدھر مت چلو، اس راستہ چلو، اُس راستہ نہ چلو، اس لکیر کو نہ چھوڑو، یہ سرحد پار نہ ہونے پائے، اس کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو نماز ہی نماز پڑھتا چلا جائے، رات کو پلک سے پلک نہ لگے، اس کو لوگ متقی کہتے ہیں، تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع کیا ہے، اس سے بچیں، اس کے تصور سے خیال بھی آجائے تو خدا کی پناہ مانگیں، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کی پابندی کریں، ہفت اقلیم کی سلطنت مسلمانوں کو مل جائے، ان کے قدموں پر بادشاہوں کے تاج رکھ دیے جائیں، اور قارون کا خزانہ ان کو مل جائے، لیکن ان کے اندر وہ سیلز نہ ہوں، نبوت کی لائی ہوئی روشنی نہ ہو، وہ فرقان نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ دین پر چلنے والوں کو عطا کرتا ہے، تو دو کوڑی کی قیمت نہیں، مسئلہ بہت صاف اور بہت ہی واضح ہے، میں کوئی پہیلی نہیں بجھا رہا ہوں، ہماری آپ کی ساری طاقت، سارا امتیاز، اللہ کے یہاں بھی جو مرتبہ اور مقام ہے، اور مخلوق کی نگاہ میں بھی جو وزن اور طاقت ہے، وہ سب ان سیلز کے صدقہ میں ہے، سیلز سلامت سب کچھ سلامت، یہ دل سلامت سب سلامت، یہ دماغ سلامت سب سلامت، عقیدہ سلامت، اخلاق سلامت، مسلمان مسلمان ہے، نہ پہاڑ اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ سمندر۔

ایمان وسیرت کی کرامت

بات یہ ہے کہ یہ سب سیلز کی کرامت ہے، یہ مسالہ جو اس کے اندر بھرا ہوا ہے، ایمان کا مسالہ، عقیدہ کا مسالہ، اخلاق کا مسالہ، مقاصد کا مسالہ، ہمارا عقیدہ الگ، ہمارا ایمان الگ، ہمارے اخلاق الگ ہونے چاہئیں، پھر کیا ہوگا، "یَجْعَل لَّکُمْ فُرْقَانًا" اللہ تم کو ایسی مابہ الامتیاز چیز بخشے گا کہ دور سے پہچانے جاؤ گے، جہاں جاؤ گے تمہاری عزت ہوگی، مسلمانوں کا کیا حال تھا، آبادیوں کی آبادیاں بلاتی تھیں، آج کتنے ملک فتح ہوئے ہیں، جہاں کی آبادی نے بلایا تھا، مسلمانوں کو، تاریخ والوں نے پوری حقیقت لکھی نہیں، بیان نہیں کی، اب بہت سی حقیقتیں سامنے آرہی ہیں، مصر کے لوگوں نے بلایا تھا، دعوت دی تھی عربوں کو کہ آؤ ہمیں اس مصیبت سے نجات دو کہ ذرا سا اختلاف ہے عقائد کا، ہمارا اور رومیوں کا تو ہم سے وہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں، الفرڈ بٹلر BUTLER ALFRED کی کتاب ہے: ''عربوں کا مصر فتح کرنا'' اس نے لکھا ہے کہ بوروں میں بھر بھر کر رومی ان قبطیوں کو سمندر میں ڈال دیتے تھے، کیوں؟ محض اس لیے کہ ان میں اور رومیوں میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کچھ اختلاف تھا کہ بالکل خدا کی طرح ہیں، بالکل وہ خدا کا جز ہیں یا انسان ہیں، اور ان میں تھوڑی سی خدائی بھی ہے، اس میں اختلاف تھا تو اتنا بڑا ظلم ہوتا تھا کہ کوئی حد نہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان قبطیوں نے دعوت دی تھی، اور کہا تھا کہ خدا کے لیے آؤ، اور ہمیں بچاؤ، ایسے معلوم نہیں کتنے ملک تھے، اور جب مسلمان کہیں کسی فوجی مصلحت سے کسی صوبہ کو، کسی شہر کو چھوڑتے تھے، تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کیوں ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو اور ان ظالموں کے حوالے کر رہے ہو اور جب وہ کہتے تھے کہ نہیں ہم پھر آئیں گے تو کہتے تھے کہ اللہ تم کو جلد لائے اور دعائیں کرتے تھے۔

ہندوستان پر ہمارا حق اور اس کی ذمہ داری

تم کو اس ملک میں رہنا ہے، تمہارا حق اس سرزمین پر ہے، تم نے اس ملک کو بنایا، سنوارا، تم نے اس ملک کو تہذیب سے، تمدن سے اور ترقیوں سے مالا مال کر دیا، تمہارے اوپر بھی اس ملک کا احسان ہے، اس نے تمہیں ایسے آڑے وقت میں پناہ دی اور یہ فیاض ملک ثابت ہوا جب پناہ نہیں مل رہی تھی، جب تاتاری ایران اور ترکستان کے باغ بہار شہروں پر حملہ کر رہے تھے، اور شہر کے شہر بے چراغ ہو رہے تھے، اس وقت بڑے بڑے مسلمان خاندان یہاں آئے، اور اس ملک نے اپنے بازو پھیلا دیے، اپنی گود خالی کر لی تو ہمارے اوپر اس ملک کا حق ہے، اور اس ملک پر ہمارا حق ہے، دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے، جو بیچ میں کھڑی ہو جائے، اور کہے کہ نہیں تمہارا اس ملک پر حق نہیں ہے، مگر آپ کو اپنے اندر ایمان وسیرت اور دعوت وہدایت کا امتیاز پیدا کرنا ہوگا، جب آپ اس ملک میں عزت کے ساتھ رہ سکیں گے، توحید کی طاقت آپ کے اندر ہو، اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی طاقت کا تجربہ ابھی تک نہیں کیا گیا، ایک آدمی جس کے اندر توحید کا عقیدہ ہوتا ہے، وہ ساری دنیا کو، دنیا کی ساری طاقتوں کو خاطر میں نہیں لاتا، کوئی دولت وعزت اس کی نظر میں نہیں سماتی، ہمارے اندر توحید کا نکھرا ہوا صاف عقیدہ ہو کہ خدا کے سوا نفع وضرر کی طاقت کسی میں نہیں "لا نافع ولا ضار إلّا اللّٰہ لا إلٰہ إلّا اللّٰہ" وھی نافع وھی ضار "وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ، وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ" (اے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ضرر کا ارادہ کرلے تو کوئی روک نہیں سکتا، نفع کا ارادہ کرلے تو کوئی آڑے نہیں آسکتا۔[سورہ یونس:۱۰۷]

مسلمان کے امتیازات

پھر اس کے ساتھ تمہارے اندر شریعت کی پابندی ہو، تم شریعت کے احکام پر چلتے ہو، جب ساری دنیا کی قومیں اپنے اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑ چکیں، اب صرف رسم ورواج رہ گئے، صرف تہوار رہ گئے، صرف میلے ٹھیلے رہ گئے، صرف سوشل چیزیں رہ گئیں، تو اس حالت میں تم نمازوں کے پابند ہو، تم شریعت کے احکام پر چلنے والے ہو، تم حلال وحرام میں فرق کرنے والے ہو، اور اس کے ساتھ پھر تمہارے اخلاق اعلیٰ ہوں، دنیا دودھ میں پانی ملائے، تم حرام سمجھو، دنیا کے درزی کپڑا چرائیں، تمہارے درزی اس کو حرام سمجھیں، دنیا ڈنڈی مارے اور کم تولے تم اس کو حرام سمجھو، اس راستہ سے آئے ہوئے پیسے کو تم نجس وناپاک سمجھو، مرجانا دس مرتبہ اچھا ہے لیکن رشوت لینا اچھا نہیں، اگر کوئی غیر مسلم چار گھنٹے کام کرتا ہو تو تم چھ گھنٹے اپنے آفس میں بیٹھ کر کام کرو کہ نہیں ہم جب اس کی تنخواہ پاتے ہیں تو پھر ہمیں خدمت کرنی چاہیے، اور اس ملک نے ہم پر احسان کیا ہے، ہم نے اس ملک میں صدیاں گذاریں، ہم پھلے پھولے، ہم نے ہر طرح کا لطف اٹھایا، یہاں کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھایا، ہم اس ملک کے ساتھ غداری نہیں کر سکتے، ہم اس ملک میں کام چوری کی عادت نہیں اختیار کریں گے، گپ کرتے رہے، اور ایک دو فائلیں دیکھیں جیسے آج کل رواج ہے

اور پھر لنچ کا وقت آ گیا، لنچ کھایا، اس کے بعد پھر کچھ گپ کی، کچھ چائے پی، کوئی دوست آ گیا تو اس سے بات کرنے لگے، نہیں، ڈیوٹی پر وقت پر جانا، وقت پر آنا، پورا کام کرنا، ہر آدمی کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کوئی انسان کسی مذہب وملت کا ہو، وہ اگر تمہاری مدد کا محتاج ہو، تو تم بالکل نہ دیکھو کہ یہ کلمہ گو ہے یا نہیں، تمہیں اس کی مدد کرنی چاہیے، کوئی اگر ظلم کر رہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑنا چاہیے، ظالم کو روکنا چاہیے، مظلوم کی حمایت کرنی چاہیے، سچی بات کوئی کہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔

ملک کے حالات میں تبدیلی

یہ اخلاق اگر ہمارے ہوں گے تو وہی بات ہوگی "اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا" (اگر تم اللہ سے ڈرو گے اللہ تمہارے لیے فرقان پیدا کردے گا)، ہندستان ہی میں دنیا دیکھے گی کہ مسلمان کا کیا احترام ہوتا ہے، مسلمان کو کس طرح لوگ آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں، کس طرح مسلمان کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمان نہ رہے گا تو اس ملک کا رہنا مشکل ہے، مسلمان ہی اس ملک کو تباہی سے بچا سکتے ہیں، اپنے اندر یہ اعتماد پیدا کرو، اپنے اندر یہ قوت پیدا کرو، جب آپ کے یہ اخلاق ہوں گے، تو ان شاء اللہ پھر آپ کے لیے راستہ صاف ہے، آپ اپنے کو بھی بچائیں گے، اپنی عزت وناموس کو بھی بچائیں گے، اور اس ملک کو بھی تباہی سے بچائیں گے۔

ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے اور مسلمان اس کو بچاسکتے ہیں

میں صاف کہتا ہوں کہ یہ ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے، کیوں کھڑا ہے؟ پیسے کی لالچ کی وجہ سے، بے ایمانی کی وجہ سے، رشوت کی وجہ سے، کام چوری کی وجہ سے، فرض ناشناسی کی وجہ سے، اور یہ بھاؤ بھید جو ہیں، ذاتوں اور برادریوں کے اس کی وجہ سے، آپ اس پورے بحرِ ظلمات میں روشنی کا مینار ہیں، روشنی کا مینار اِدھر اُدھر نہیں جاتا، کھڑا رہتا ہے، سب کو راستہ دکھاتا ہے، آپ ہمت سے کام لیں اور اپنے اندر فرقان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ایمانی صفات، اسلامی اخلاق اور دعوت و ہدایت اور ہمدردیٔ خلائق کے جذبہ کے ساتھ آپ کو یہاں کی زندگی سے کٹنا بھی نہیں چاہیے، آپ یہ نہ کہیں کہ صاحب ہماری بلا سے یہ ملک ڈوبے یا بچے ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اپنی عاقبت کی فکر میں ہیں، نہیں، یہ بات ٹھیک نہیں ہے، مسلمان کا منصب نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ملک تباہ ہوجائے، خدا آپ سے پوچھے گا، آپ جس کشتی پر سوار ہیں، وہ کشتی ڈوبے، پھر آپ کی کیا خصوصیت رہی، آپ ڈوبتی ہوئی کشتی کو ہاتھ لگادیں تو وہ ساحل تک پہنچ جائے، یہ آپ کی شان ہے۔

☆☆☆☆☆

تربیتِ اولاد کی ذمہ داری

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

خدا تعالیٰ جب اولاد دے اور وہ سیانی ہونے لگے تو سب سے اول اس کو کلمہ توحید سکھلاوے پھر اس کو ضروری آداب کی تعلیم کرے۔ جب سامنے آئے تو سلام کرے، کسی کے پاس کوئی چیز دیکھے تو لالچ نہ کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت (حیثیت) کے موافق اس کی مرغوب (پسندیدہ) چیزیں خود منگا کر کھلاتا پلاتا رہے۔ اور جب وہ ضد کرے ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے تاکہ ضد کرنے کی عادت چھوٹ جائے۔ اس کو یہ عادت ڈالے کہ کوئی چیز تنہا نہ کھائے، بلکہ دوسرے میں تقسیم کر کے کھائے اور اس کے لیے یہ رعایت رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز اس کو دے خواہ نقد یا غیر نقد اس کی ملک نہ کرے کیونکہ ملک ہوجانے کے بعد نابالغ کو تبرع کرنا جائز نہیں بلکہ اباحت کے طور پر دے، تاکہ دوسروں کو دینا اور ان سے دوسروں کو لینا جائز ہو۔

جھوٹ بولنے سے اس کو نفرت دلائے، پردہ اور حیا کی اس کو تعلیم دے، اس کو یہ عادت ڈالے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا اقرار کرلیا کرے اور اگر وہ غلطی متعدی ہو تو صاحب حق سے معاف کرایا کرے، اس کی عادت ڈالنا سخت ضروری ہے کہ اس میں اس کے دین کی سلامتی او ر دنیا میں موجب عزت وراحت ہے، اور اس میں پس وپیش کرنا تکبر اور ہمیشہ کے لیے موجب نفرت وذلت ہے، اس کی بھی عادت ڈالے کہ سخن برداری کبھی نہ کرے، حق واضح ہوجانے کے بعد گو اپنے سے کم درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے فوراً اس کا اتباع کرے اور ہر امر میں اس کو تواضع اور خاکساری کی عادت ڈالے، لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ نہ کھیلنے دیں، اگر وہ نامحرم ہیں تو آئندہ کے مفاسد کا اس میں انسداد ہے اور اگر وہ محرم ہیں تو لڑکیوں میں قلت حیا پیدا ہونے کا اور لڑکوں میں نقصان عقل کا احتمال ہے۔

☆☆☆

انعام ربانی

سرورِ کونینؐ سے خطاب مبارک

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

”وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا، وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا“. [الکھف:۲۷-۲۸] (اور آپ کے پروردگار کی کتاب کی آپ پر جو وحی ہوئی ہے وہ پڑھ کر سنائیے، اس کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور اس کے سوا آپ کو کہیں پناہ کی جگہ مل نہیں سکتی اور آپ ان ہی لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو لگائے رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی خوشنودی کی چاہت میں اور دنیا کی آرائش کی خاطر ان سے اپنی نگاہیں نہ پھیر لیجیے اور اس کی بات نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کے چکر میں پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے)۔

آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی صورت میں جو وحی تمہیں دی جارہی ہے، یہ لوگوں کے سامنے پڑھیے، یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اس کو لوگوں تک پہنچا دیجیے، بلکہ فرمایا کہ اس کو تلاوت کیجیے یعنی پڑھتے رہیے، گویا اس چیز کی تلاوت ہونی چاہیے، تاکہ اس سے بعد میں لوگ سبق لیں۔

کلماتِ الٰہیہ کی اہمیت

تلاوت کے حکم کے بعد فرمایا: یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہے، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ نے ایسا کہا ہے تو ہوسکتا ہے کہ کل اس کی ضرورت نہ ہو اور اللہ نے یہ صرف آج ہی کے لیے کہا ہے، بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے کہا ہے، تو پھر وہ قیامت تک ہمارے لیے درس ہے اور قابل استفادہ ہے، اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی ہے۔ ایک طرف جہاں اس کے فرمان میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی ہے، وہیں دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہیں حفاظت کا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ملے گا، یہ سب جتنے بھی سہارے اور ٹھکانے ہیں، جن سے آدمی خود کو خطرہ و مصیبت سے بچاتا ہے، یہ سب بہت کمزور، معمولی اور وقتی سہارے ہیں، دنیا کے تمام وسائل اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیے ہیں، دنیا میں جتنے وسائل اور حفاظت کے طریقے ہیں، وہ سب اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ خود بخود ہوں، ہم ان کو اختیار کریں یا نہ کریں، ہمیں سوچنا پڑے گا، نہیں! بلکہ ہمیں ان کو اختیار کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اختیار کرنے کے لیے ہی بنائے ہیں، دواؤں میں جو اثر ہے اور اس کے علاوہ جو دوسرے وسائل ہیں، یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، یہ خود سے نہیں بنے ہیں، خود سے جو چیز بنی ہو اس کی حیثیت دوسری ہوتی ہے اور جو کسی نے بنائی ہو اس کی حیثیت دوسری ہوتی ہے، ظاہر ہے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے تو وہ اس میں تصرف بھی کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بے کار اور بے اثر بھی کرسکتا ہے، اس لیے کہ یہ خود سے نہیں ہیں، بلکہ یہ تابع ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، لہٰذا اگر تم ان چیزوں کا سہارا لوگے تو وہ کمزور اور ناپائیدار سہارا ہوگا اور یہ حقیقت اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم کوئی اور ٹھکانہ نہیں پاسکتے۔

بوریہ نشینوں کا مقام و مرتبہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشاعت اسلام کی فکر حد درجہ دامن گیر رہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں یہ بات تھی کہ کفار میں جو بڑے بڑے سردار ہیں، بڑے بڑے اغنیاء ہیں، جن کا قوم پر اثر ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی شخص مسلمان ہوجاتا ہے تو پوری ایک جماعت مسلمان ہوجائے گی، یعنی جتنے لوگ بھی ان کے زیر اثر ہوں گے، وہ سب مسلمان ہوجائیں گے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طبقہ کے اسلام لانے کی خاص فکر تھی، تاکہ اسلام جلدی پھیلے۔

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ اسی ذہنیت کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ یہ جو بڑے بڑے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی قوم میں اپنا بہت اثر رکھتے ہیں، آپ ان کے اسلام کی فکر نہ کریں، حقیقت میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں اور اس کی نظر میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے، دنیا میں چاہے ان کی جو قیمت ہو اور جیسا اثر و رسوخ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کوئی اثر نہیں ہے، لہٰذا اے نبی! آپ کو اپنی طبیعت پر جبر کرنا ہوگا۔

آگے فرمایا کہ ان کے مقابلہ میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور وہ معمولی درجہ کے لوگ ہیں، ان کو آپ یوں سمجھتے ہوں گے کہ یہ خود تو ایمان لے آئے ہیں لیکن ان کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہے اور چونکہ یہ لوگ اب ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا اگر ان لوگوں کی ہم زیادہ فکر نہیں بھی کرتے ہیں تب بھی یہ تو ہمارے ساتھ ہی ہیں، البتہ یہ لوگ جن کے ایمان لے آنے سے سماج پر بہت بڑا اثر پڑ سکتا ہے، ان پر کوشش و محنت کی جانی چاہیے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اللہ کی رضا کے طالب ہیں، آپ اپنی طبیعت کو ان پر مجبور کیجیے، یعنی ان کے ساتھ رہنے اور انھی کی طرف توجہ کرنے پر اپنے کو مجبور کیجیے اور اپنے اس تقاضے کو کہ ہم کسی طرح ان بڑے لوگوں کو مسلمان کرلیں، اس تقاضے کو دبایئے، جتنا پیغام دینا ہو اتنا پیغام دے دیجیے، جتنی بات کہنی ہو اتنی کہہ دیجیے اور اس سے زیادہ کی فکر نہ کیجیے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر دیا ہے کہ یہ کافر رہیں گے تو آپ ان کو مسلمان نہیں بنا سکتے، آپ کا کام پیغام پہنچانا اور کوشش کرنا ہے، آپ ان پر زیادہ محنت نہ کیجیے، بلکہ اپنے کو مجبور کیجیے کہ آپ ان غریبوں اور معمولی لوگوں سے وابستہ رہیں جو اللہ کو صبح و شام یاد کرتے رہتے ہیں اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں۔

انھی لوگوں کے متعلق مزید فرمایا کہ آپ اپنی نگاہوں کو ان لوگوں سے نہ ہٹایئے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی نگاہیں ان سے ہٹ جائیں، یعنی ان کو کمتر سمجھیں، آپ ان کو ہرگز کمتر نہ سمجھئے، یہ لوگ اللہ کی نظر میں برتر ہیں اور جن کو دنیا برتر دیکھ رہی ہے، اللہ کی نظر میں وہ کم تر ہیں، لہٰذا آپ کا رویہ بھی یہ ہونا چاہیے کہ اِن کو آپ برتر سمجھیں اور اُن کو کمتر سمجھیں، البتہ جہاں تک دعوت دینے کی بات ہے وہ ضرور دیں، اِن کو بھی دیں اور اُن کو بھی دیں، لیکن اتنا یاد رہے کہ ان لوگوں سے آپ کی نگاہیں نہیں ہٹنی چاہئیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا کی جو خوبیاں اور دنیا کی جو پرکشش باتیں ہیں، ان کی طرف آپ کی نگاہ چلی جائے اور پرکشش باتیں کیا ہیں؟ یعنی جو لوگ بااثر ہیں، جو دنیا چلا رہے ہیں، جن کا لوگوں پر اثر ہے اور جو طاقتور ہیں، ان سے آدمی زیادہ امید قائم کرلے اور جو لوگ کمزور ہیں، ان پر آدمی کو زیادہ توکل نہ ہو، اسی کے پیش نظر فرمایا گیا کہ یہ دنیا کی جو زینت ہے یعنی دنیا میں جو ایک کشش و اثر ہے، اس کی طرف آپ بالکل بھی ارادہ نہ فرمائیں، اس کے بعد دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے ہٹا دیا ہے تو اس کا دل اللہ کی یاد سے ہٹ گیا ہے، یہاں یہ دھیان رہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے ہٹا ہے، چونکہ ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو اپنی طرف ہی منسوب کرتا ہے کہ ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے ہٹا دیا ہے، آپ اس کی بات نہ مانیے۔

آیت میں جس بات کے ماننے سے منع کیا جا رہا ہے، وہ یہ تھی کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، لیکن ہمارے لیے ایک مشکل یہ ہے کہ آپ نے اپنے پاس ان معمولی اور گھٹیا لوگوں کو جمع کر رکھا ہے، جن کو ہم کچھ بھی خاطر میں نہیں لاتے ہیں، تو ہم آپ کے پاس کیسے بیٹھیں؟ پہلے آپ ان لوگوں کو ہٹایئے پھر ہم سے بات کیجیے، ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خیال ہونے لگا کہ اگر اس طریقہ سے ان تک دین کی دعوت پہنچ جاتی ہے تو اگر کچھ وقت کے لیے یہ لوگ قریب نہ رہیں اور الگ رہیں تو بہت بہتر ہے، مذکورہ آیت میں اسی کو منع کیا گیا کہ اُن لوگوں سے یہ لوگ بہتر ہیں، آپ اُن کی بات نہ مانئے اور فرمایا کہ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے ہٹا دیا ہے، جو دین کی بات نہیں مان رہا ہے، آپ اس کی فرمائش قبول نہ کیجیے، وہ کچھ بھی کہا کریں، لیکن ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

آگے فرمایا کہ جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ہے، یعنی وہی بڑے لوگ جو دین کا انکار کر رہے ہیں، ان کا اصل معاملہ کوتاہی اور راہ حق سے ہٹنے کا ہے، جو راہ حق قبول نہیں کر رہے ہیں، حالانکہ وہ بالکل واضح ہے، ان سے صاف صاف کہہ دیجیے کہ حق بات تمہارے رب کی طرف سے ہے، تم مانو یا نہ مانو، جو چاہے اس کو مانے، تسلیم کرے اور ایمان لائے اور جو چاہے اس کا انکار کردے اور اپنی جگہ بیٹھا رہے، اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بالکل غنی ہے۔

نیک وبد کا ٹھکانہ

”وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقاً☆إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلاً، أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَاباً خُضْراً

مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا“ [الکہف: ۲۹-۳۱] (اور کہہ دیجیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے (آچکا) ہے تو جو چاہے مانے اور جو چاہے انکار کرے، یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو اپنے گھیرے میں لے لیں گی اور جب وہ پانی طلب کریں گے تو تیل کی تلچھٹ جیسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی جو چہروں کو جھلسا کر رکھ دے گا، کیسا بدترین پانی ہے اور کیسی بری آرام کی جگہ ہے، یقیناً جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے تو جو اچھا کام کرے اس کے اجر کو ہم بالکل ضائع نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے ہمیشہ کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنے، مسہریوں پر ٹیک لگائے وہاں بیٹھے ہوں گے، کیا خوب بدلہ ہے اور کیسی حسین آرام گاہ ہے)۔

گمراہوں کا انجام

آیت میں فرمایا گیا کہ جو بے راہ رو لوگ ہیں، وہ یہ بات سمجھ لیں کہ ہم نے ان بے راہ رو لوگوں کے لیے جہنم کی آگ کو تیار کر رکھا ہے، جس کے خیموں نے ان کو گھیر لیا ہے، گویا ایک دائرہ بن گیا ہے جس میں یہ لوگ گھیر دیے گئے ہیں، اس آگ میں ان کا یہ حال ہوگا کہ اگر ان کو پیاس اور بھوک لگے گی اور یہ اپنی تکلیف کو دور کرنے کے لیے دُہائی دیں گے تو ایسے پانی سے ان کی مدد کی جائے گی جو بالکل تلچھٹ اور ایسا گرم ہوگا کہ منھ جھلس جائے گا، واقعہ یہ ہے کہ وہ پینے کی بہت بری اور بہت بدترین چیز ہوگی جو مجبوراً ان کو پینا پڑے گی، اسی طرح ان کے ٹھہرنے کا وہاں جو انتظام ہوگا اور راحت کا جو سامان ہوگا وہ بھی بہت برا اور تکلیف دہ ہوگا، ان کو وہاں بہت تکلیف کی حالت میں رہنا پڑے گا، یہ لوگ گرچہ دنیا میں بہت بڑے معلوم ہو رہے ہیں، بہت وسائل والے نظر آرہے ہیں، لیکن وہاں ان کی حالت بہت ہی اذیت ناک ہوگی۔

اہل ایمان کا انجام

ان کے بالمقابل دوسرا گروہ اہل ایمان کا ہے، ان کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل اختیار کیے، ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، ان کو پورا اجر ملے گا، ان لوگوں کے لیے ہمیشہ رہنے والے باغات ہوں گے اور ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی- یہ نہروں کا ذکر جو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، اس میں عربوں کے لیے اور زیادہ کشش کی بات ہے، جہاں پانی کی کمی ہے- فرمایا کہ اہل ایمان کو وہاں زیور پہنائے جائیں گے، ان کے جسم کے لباس زیور اور سونے کے کنگن ہوں گے اور اسی کے ساتھ ان کو ایسے کپڑے پہنائے جائیں گے جو سبز رنگ نما کپڑے ہوں گے، وہ کپڑے باریک ریشم کے ہوں گے اور موٹے ریشم کے بھی، عربی زبان میں ”سُندُس“ باریک ریشم اور ”اِستَبرَق“ موٹے ریشم کے کپڑے کو کہتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ اہل ایمان اپنے تختوں پر بیٹھے آرام کر رہے ہوں گے، ان کو دنیا کی کوئی فکر نہیں ہوگی، وہاں آرام سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور اچھا وقت گذار رہے ہوں گے، واقعی یہ بہترین بدلہ ہے جو ان کو ملے گا اور آرام کا بھی بہترین انتظام ہے۔

☆☆☆☆☆

مکتوبات
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (جلد ششم)
مرتب: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
مکمل صفحات: ۴۴۰ قیمت: ۳۵۰/روپے
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176
ای میل: info@airp.org.in

حیات جاوداں

جنت اور جنت کی نعمتیں

تحریر: شیخ علی طنطاویؒ

کوئی شخص محض اپنی خواہش یا آرزو کی بنا پر جنت میں نہیں جائے گا، بلکہ اس کے لیے ایمان کامل اور احکام کی بجا آوری ضروری ہے، ارشاد ہے:

”لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب، من یعمل سوء یجز به“ [النساء: ۱۲۳] (انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ”ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جهدوا منکم و یعلم الصبرین“ [آل عمران: ۱۴۲] (کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں، جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں)۔

چنانچہ وہ مومن جنت میں جائے گا جو یا تو نیک کام کرنے والا، اللہ کی طرف دوسروں کو دعوت دینے والا، حق کو دنیا میں سربلند دیکھنے کے لیے اپنی جان، مال اور زبان سے جدوجہد کرنے والا ہوگا، یہ تو زمرۂ ”الذین جاهدوا“ میں داخل ہوجائے گا۔

اور اگر یہ سب نہ کرسکے تو کم از کم مومن کو ایسا تو ضرور ہونا چاہیے کہ شر کا اثر نہ قبول کرے اور بدی کی دعوت پر لبیک نہ کہے، خود کو اور اپنے اہل و عیال کو برائی سے بچائے اور اپنی اس دینداری کے صلہ میں اسے جو مصائب و تکالیف برداشت کرنی پڑیں، ان پر صبر کرے، ایسا شخص زمرۂ ”الصابرین“ میں شامل ہوگا۔

جب حساب کتاب ختم ہوجائے گا اور اہل ایمان پل صراط سے صاف گزر جائیں گے تو گویا انہیں حقیقت نجات حاصل ہوگی: ”اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے، انہیں گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے پہلے کھولے جاچکے ہیں تو اس کے منتظمین ان سے کہیں گے: سلام ہو تم پر بہت اچھے رہے، داخل ہوجاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے“۔[الزمر: ۷۳]

اس وقت یہ لوگ کہیں گے: ”شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنادیا، اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بناسکتے ہیں، پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے“۔[الزمر: ۷۴]

جنت کے کوائف

جنت کی کشادگی کا عالم یہ ہے کہ اس کا عرض زمین اور آسمان دونوں کی وسعت کے برابر ہے، اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں، کیونکہ عالم آخرت کی اس دنیا کے مقابلے میں وہی حیثیت ہے جو اس زمین کی بطن مادر کے مقابلے میں، کیا ایک جنین ماں کے پیٹ کو ہی پوری دنیا خیال نہیں کرتا؟ جب کہ اس دنیا کا کوئی ایک گھر بھی بطن مادر کے مقابلہ میں لاکھوں گنا بڑا ہے، ایسی ہی جنت متقی لوگوں کو ملے گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ متقی لوگ جن کے لیے جنت بنائی گئی ہے، وہ کون ہیں؟ وہ کیا عمل کرتے ہیں؟ تاکہ ہم بھی ان کے سے عمل کر کے ان میں شامل ہوسکیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے، متقی لوگ وہ ہیں: ”جو ہر حال میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوشحال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کردیتے ہیں ....اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہوجاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کرکے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاذ اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں“۔[آل عمران: ۱۳۵]

یہ متقی لوگوں کی صفات ہیں، جو شخص عقیدے کی درستگی اور سچی توحید اختیار کرنے کے بعد خود میں یہ اوصاف پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ اپنی عنایت خاص اور اپنے فضل و کرم سے اسے جنت میں داخل کرے گا جو متقیوں کے لیے بنائی گئی ہے۔

جنت کے مختلف درجے ہیں، ان میں سے ایک درجہ ”جنت النعیم“ ہے، یہ بہت بلند مرتبہ مقام ہے، ہر شخص اس تک نہیں پہنچ سکتا: ”أیطمع کل امریء منهم أن یدخل جنة نعیم“ (کیا ان میں سے ہر ایک یہ لالچ رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کردیا جائے گا؟)۔[المعارج: ۳۸]

یہ مقام صرف بلند صرف نیکیوں میں سبقت لے جانے ”السابقون الاولون“ کے لیے مخصوص ہے۔اور............

”أولئك المقربون، فی جنت النعیم“ (وہی تو مقرب لوگ ہیں، جو نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے)۔[الواقعہ: ۱۲-۱۱]

ایک اور جنت ہے جس کا نام ”غرفة“ ہے، اس جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان خاص بندوں سے کیا ہے، جن کا ذکر سورۂ ”فرقان“ میں اس انداز سے کیا گیا ہے: ”یہ اللہ کے وہ بندے

ہیں جو عقائد کی درستگی اور عمل میں استقامت کے ساتھ عبادت گزار اور بلند اخلاق کے حامل ہیں“۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غرفہ بھی جنت میں ایک بلند درجہ ہے جو ان باکمال افراد کے لیے مخصوص ہے، جو ان صفات عالیہ کے حصول کے بعد انہیں باقی رکھنے کے لیے ہر مشقت اور تکلیف برداشت کرتے ہیں، اور ترغیبات کے زیر اثر خود کو اس مقام بلند سے گرنے نہیں دیتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جنت میں:”جنت معروشت وغیر معروشت “ [الانعام:۱۴۱](طرح طرح کے باغ اور تاکستان ہیں)۔

علاوہ ازیں ایک مقام کا نام ”جنة الماویٰ “ ہے اور ایک مقام کو ”جنت عدن “کہا گیا ہے۔اور ”ولمن خاف مقام ربه جنتن“ (ہراس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو، دو باغ ہیں، صرف ایک نہیں)۔

اسی طرح ایک مقام کا نام ”علیین “ ہے۔

قرآن مجید کے اس انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتوں کے کئی درجے ہیں اور اہل جنت کے مقامات ومنازل مختلف ومتفاوت ہیں۔

اہل جنت اور ان کے ساتھ سلوک

جنت میں جنتیوں کے ساتھ ان کے اہل و عیال اور بھائیوں کو یکجا کر دیا جائے گا، ارشاد ہے: ”ادخلوا الجنة أنتم و أزواجكم تحبرون“ [الزخرف:۷۰](داخل ہوجاؤ، جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہیں خوش کر دیا جائے گا)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

”وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں، مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے“۔[یٰسین:۵۶]

نیز ارشاد ہے:”جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے، ان کی اولاد کو بھی ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے“۔[الطور:۲۱]

اور یہ سب محبت وخلوص کے ساتھ جنت میں یکجا رہیں گے:”ونزعنا ما في صدورهم من غل“(ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے“۔[الاعراف:۴۳]

افراد خاندان ارد گرد صف بستہ ہوں گے اور مسندوں پر ان کی مجلسیں منعقد ہوں گی اور یہ لوگ:”متكئين على سرر مصفوفة“(آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے)۔[الطور:۲۰]

”اخوانا على سرر متقبلين“[الحجر:۴۷] (وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے)۔

ان مسندوں پر فرش بچھا ہوگا جس کا استر ایک نفیس کپڑے کا ہوگا، جسے ”استبرق“کا نام دیا گیا ہے اور ان کے ارد گرد گھنے درختوں والے باغات ہوں گے، ان درختوں کے پھل اتنے قریب ہوں گے کہ ہاتھ بڑھا کر لے سکیں گے، علاوہ ازیں جنت میں جنتیوں کی خدمت کے لیے نوعمر خادم ہوں گے۔

”ان کی خدمت میں وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو انہی کے لیے مخصوص ہوں گے، ایسے خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی“۔ [الطور:۲۴] (وہاں وہ اطمینان سے ہر طرح کی لذیذ چیزیں طلب کریں گے)۔[الدخان:۵۵]

”شراب کے چشموں سے ساغر بھر بھر کر ان کے درمیان پھرائے جائیں گے، چمکتی ہوئی شراب جو پینے والوں کے لیے لذت ہوگی، نہ ان کے جسم کو اس سے کوئی ضرر ہوگا اور نہ ان کی عقل اس سے خراب ہوگی“۔[الصفت:۴۵-۴۷]

اور کھانا ان کے آگے گردش کرایا جائے گا: ”بصحاف من ذهب“ [الزخرف:۷۱] (سونے کے تھال میں)۔

اور شراب لائی جائے گی:”بأكواب وأباريق، وكأس من معين “[الواقعہ:۱۸] (پیالوں، کنٹروں اور ایسے جام میں جو بہتر ہوئی شراب سے بھرا جائے گا)۔

وہاں انہیں دل پسند کھانے پینے کی چیزیں ملتی رہیں گی:”وفاكهة مما يتخيرون، ولحم طير مما يشتهون “(اور وہ ان کے سامنے طرح طرح کے پھل پیش کریں گے کہ جسے چاہیں چن لیں اور پرندوں کے گوشت پیش کریں گے کہ جس پرندے کا چاہیں انتخاب کرلیں“۔[الواقعة:۲۱-۲۰]

نیز:”وہ بے خار بیریوں اور تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلوں اور دور دور پھیلی ہوئی چھاؤں اور ہر دم رواں پانی اور کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں اور اونچی نشست گاہوں میں ہوں گے“۔[الواقعہ:۲۸-۳۴]

”نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے نہ جاڑے کی سردی، جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی اور اس کے پھل ہر وقت ان کے بس میں ہوں گے“۔[الدہر:۱۴-۱۳]

”تعرف في وجوههم نضرة النعيم“ (ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق محسوس کرو گے)۔[المطففين:۲۴]

اور ان کے چہرے ”ناعمة، لسعيها راضية“[الغاشیۃ:۸-۹] (بارونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش ہوں گے)۔

انہیں جنت میں ہر طرف جانے کی پوری آزادی ہوگی، ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور باہم گفتگو کریں گے۔

”تحيتهم فيها سلم“ (وہاں ان کا استقبال

سلامتی کی مبارک باد سے ہوگا)۔[ابراہیم:۲۳]

صرف اچھی باتیں ہی منہ سے نکالیں گے:

"وهدوا الى الطيب من القول" [الحج:۲۴] (اور ان کو پاکیزہ بات کہنے اور قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی)۔

"یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے (دنیا میں گزرے ہوئے) حالات پوچھیں گے، یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے، آخر کار اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچالیا"۔[الطّور:۲۵ تا ۲۷]

اور جو کچھ ہمیں ملا ہے، دعاء اور استغفار کا نتیجہ ہے:"انا كنا من قبل ندعوه، انه هو البر الرحيم" [الطّور:۲۸] (ہم پچھلی زندگی میں اسی سے دعا مانگتے تھے، وہ واقعی بڑا محسن اور رحیم ہے)۔

یہ لوگ جب آپس میں باتیں کریں گے تو اس دنیا اور دنیا والوں کا تذکرہ کیا کریں گے اور دنیا میں اپنی حالت اور کیفیت اور آخرت میں جو کچھ ملا ہے اس کے بارے میں ایک دوسرے کو بتایا کریں گے:"ان میں سے ایک کہے گا، دنیا میں میرا ایک ہم نشین تھا جو مجھ سے (ازراہ تمسخر وعناد) کہا کرتا تھا کہ تم بھی تصدیق کرنے والوں میں ہو، کیا واقعی جب ہم مرچکے ہوں گے اور مٹی ہوجائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے، تو ہمیں جزا وسزا دی جائے گی؟ اب کیا آپ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ صاحب اب کہاں ہیں؟ یہ کہ کر جونہی جو جھکے گا تو جہنم کی گہرائی میں اس کو دیکھ لے گا اور اس سے خطاب کر کے کہے گا:"خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ ہی کر دینے والا تھا، میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو آج میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو پکڑے ہوئے آئے ہیں"۔[الصّٰفّٰت:۵۱-۵۷]

ان آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جنتی نہ صرف دوزخیوں کی حالت اور کیفیت سے مطلع ہوسکیں گے بلکہ جنتی اور دوزخی باہم گفتگو بھی کرسکیں گے۔

رب کریم جنتیوں کو بطور انعام واکرام "حور العين" بھی عطا فرمائے گا، یعنی یہ حوریں ان کی بیویاں ہوں گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وزوجنهم بحور عين" (اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے)۔[الطّور:۲۰]

"كامثال اللؤلؤ المكنون" (ایسی حسین جیسے چھپا کے رکھے ہوئے موتی)۔[الواقعہ:۲۳]

"فيهن قصرات الطرف لا لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان" (شرمیلی نگاہوں والی ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہیں ہوگا)۔[الرحمٰن:۵۶]

جنت میں:"دعوهم فيها ...." (ان کی لوگوں کی صدا)"سبحنك اللهم" (پاک ہے تو اے اللہ) ہوگی۔

"وتحيتهم فيها سلام" اور ان کا باہمی سلام، السلام علیکم ہوگا، "وآخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين" [یونس:۱۰] (اور ان کی ہر بات کا خاتمہ اس بات پر ہوگا کہ ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے)۔

اور کہیں گے:"تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پاسکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا، ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول واقعی حق لے کر آئے تھے، اس وقت ندا آئے گی کہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں ان اعمال کے بدلے ملی ہے، جو تم کرتے رہے ہو"۔[الاعراف:۴۳]

"لا يمسهم فيها نصب وما هم منها بمخرجين" (اور نہ انہیں وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے)۔[الحجر:۴۸]

"لايذوقون فيها الموت الا الموتة الأولىٰ" [الدخان:۵۶] (وہاں موت کا مزہ وہ کبھی نہ چکھیں گے، بس دنیا میں جو موت آچکی سو آچکی)۔

"والملئكة يدخلون عليهم من كل باب" (اور ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور مبارک باد دیتے ہوئے ان سے کہیں گے)۔[الرعد:۲۳]

"سلم عليكم بما صبر تم فنعم عقبى الدار" (تم پر سلامتی ہو، تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا، اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہو، پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر)۔[الرعد:۲۴]

"وفيها ما تشتهيه الانفس وتلذ الاعين" (ہر من بھاتی اور نگاہوں کو لذت دینے والی چیز وہاں موجود ہوگی)۔

"یقیناً یہی عظیم الشان کامیابی ہے، ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے)۔[الصّٰفّٰت:۶۱-۶۰]

"وفي ذلك فليتنافس المتنافسون" [المطففين:۲۶] (جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں)۔

اے رب کریم! تو اپنی رحمت سے جو پوری کائنات کو محیط ہے اور اپنے عفو ومغفرت سے کہ تو بہت ہی معاف فرمانے والا اور بخشش کرنے والا ہے ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل کر۔

(ترجمہ: سید شبیر احمد)

☆☆☆☆☆

حالات حاضرہ

دینی بیداری کے بغیر کچھ ممکن نہیں

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

آج کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا ایک سرسری مطالعہ اس بات کے ثبوت کے لیے بالکل کافی ہے کہ ہماری زندگی میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوچکا ہے اور معاشرہ میں ایسی ایسی خرابیاں جاگزیں ہوچکی ہیں، جن کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کو از سرنو تشکیل دیں اور زندگی کو اسی پرانی راہ پر واپس لے چلیں جہاں سے ہمارے اسلاف اور امت کے رہنماؤں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

ہماری اجتماعی زندگی میں جو بیماریاں داخل ہوچکی ہیں، وہ گھن کی طرح زندگی کی بنیاد کو کھوکھلی کررہی ہیں اور اس کے سارے بنیادی عقائد کو مسخ کرکے ایک ایسا مخلوط معاشرہ جنم دینا چاہتی ہیں جس کا ظاہر اسلام اور باطن شرک وبدعت اور کفرو نفاق ہوگا، بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ دوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ معاشرہ ظاہری اسلام سے بھی محروم ہوگا اور وہ ایک خالص غیر اسلامی سوسائٹی ہوگی جس پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں اور ناخواندہ طبقے کو دھوکا دیا جائے گا۔

معاشرہ کو تبدیل کرنے کی یہ خفیہ مہم آج سے بہت پہلے شروع ہوچکی ہے، لیکن اب اس کا دھارا اس قدر تیز ہے کہ عام مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں سے کٹ کر اور عقائد وایمانیات سے ناآشنا ہوکر رہ گئی ہے، اسلام صرف اس بات میں محدود ہوکر رہ گیا ہے کہ رسوم کی پرستش کی جائے، قبروں پر سجدہ کیا جائے، عرس کے مخلوط میلے لگائے جائیں، شرک اور بدعت کے تمام کاموں کو اتنے دھوم اور اہتمام کے ساتھ انجام دیا جائے کہ دوسرے لوگ اسی کو اسلامی شعار، ایمان وعقیدہ کا اہم جز سمجھنے لگیں اور ہر دیکھنے والے کو اس کا یقین ہوجائے کہ اسلام میں یہ سب باتیں بے حد ضروری ہیں اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

آج کے عام مسلمان کی زندگی میں شرک و بدعت، رسوم پرستی، قبروں کی عبادت، نذر ونیاز اور اس طرح کی اور بہت سی بیماریاں شعار کی حیثیت سے داخل ہوچکی ہیں جس کے بغیر وہ اپنی ''اسلامی زندگی'' کو ناقص، اور اپنے ایمان کو غیر معتبر تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک یہی وہ اہم اور بنیادی باتیں ہیں جو ہر مسلمان کے لیے بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ضروری ہیں، وہ یقین رکھتا ہے کہ آخرت میں اس کی نجات اسی پر منحصر ہے، اور اگر نذر ونیاز، فاتحہ وعرس اور ادائیگی رسوم وغیرہ میں کوئی کمی رہ گئی تو اس سے مواخذہ ہوگا اور وہ سچا اور صاحب عقیدہ مسلمان کہلانے کا کسی حال میں مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔

ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو اس کے بغیر مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں سمجھتا، اور ان غیر شرعی امور کو جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، انجام دینے کے لیے اپنی آخری کوشش صرف کردیتا ہے، اگر عبادات ومعاملات کے پہلو سے ہم اس کی زندگی کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف اس سے غافل بلکہ ناآشنا اور اس سے بالکل ناواقف ہوگا، اس کو دن رات کی نمازوں کی صحیح تعداد تک نہیں معلوم ہوگی، وہ فرض اور سنت سے قطعاً بے خبر ہوگا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی کلمہ سے بھی بالکل ہی ناآشنا ہوگا، اسی طرح معاملات میں وہ اتنا ناقص ہوگا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں گے، وہ شراب بھی پیتا ہوگا، جوا بھی کھیلتا ہوگا اور چوری کو بھی جائز سمجھتا ہوگا، لیکن وہی شخص ہر جمعرات کو کسی بزرگ کی قبر پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، شب برأت کے موقع پر آتش بازی کے لیے جس طرح بھی رقم مل سکے اس کو جمع کرنا فرض عین خیال کرتا ہے، قبروں پر چڑھاوا چڑھانے کے لیے اور اس پر گھی کا چراغ روشن کرنے کے لیے ہر طریقہ سے پیسہ حاصل کرنا اس کے نزدیک ثواب کا کام ہے، یہ سب محض اس لیے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کے بغیر اسلام کا حق ادا نہیں ہوسکتا، اور وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا اہل نہیں ہوسکتا۔

یہی وہ گھن ہے جو ہماری سوسائٹی میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، ہر شہر، گاؤں اور قصبہ میں اس بیماری نے اپنا تسلط جمار کھا ہے، اور عام مسلمانوں کو اس مرض سے کسی طرح نجات نہیں حاصل ہے، اگر ہم غور کریں تو دراصل اس بیماری کا منبع ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا ایک ایسا گروہ ہے جو اپنی غرض پوری کرنے اور اپنی ذاتی منفعت کے لیے جاہلوں کو دھوکا دیتا ہے اور ان سے دین کے نام پر ایسے ایسے کام کراتا ہے جس کا دین سے کسی حال میں کوئی تعلق نہیں ہے، دین کو لہو ولعب اور نفس کی تسلی کا ایک ذریعہ بنا کر یہ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں جو ظاہری باتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ

اسی کو اسلام، ایمان اور عقیدہ سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کوئی ان کو ان طفلانہ حرکتوں پر متنبہ کرتا ہے تو اس کو دین کے دائرہ سے خارج، وہابی اور کافر تک کہہ دینے سے نہیں چوکتے۔

یہ رسوم پرستی اور شرک وبدعت صرف قبروں اور نذر ونیاز، عرس اور میلوں میں ہر جگہ منحصر نہیں، بلکہ بہت سی جگہوں میں اس کی شکلیں بدلی ہوئی ہیں، کہیں قبر پرستی کا رواج کم ہے، لیکن شادی بیاہ کے موقع پر غالی قسم کی رسوم پرستی کی لعنت اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے سرمو انحراف دین کے کسی بڑے رکن سے انحراف کے مرادف تصور کیا جاتا ہے، کہیں معاملات میں لوگ اس طرح بے لگام ہیں کہ ان کے نزدیک منافع خوری، چور بازاری اور اجارہ داری پر فخر ہوتا ہے اور اس میں ریس اور مقابلہ شروع ہوتا ہے کہ کون زیادہ نفع کما سکتا ہے، کون پہلے بنک میں حساب کھول سکتا ہے اور کس کو جلد بہترین مکان بنوانے کا چانس حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کہیں مہر گراں کرنے کا رواج عام ہے تو کہیں بارات کے جلوس میں زیادہ سے زیادہ آتش بازی، کاروں کی قطار، ہاتھی اور گھوڑے کی صفیں، انگریزی باجے کے نغمے، پھولوں اور پیسوں کی بارش، مالاؤں کا سیلاب اور زیادہ سے زیادہ ظاہر داری کا مظاہرہ کرنے کی رسم ہے، اور اس کو فخر یہ انداز میں ہر جگہ بیان کرنے کا طریقہ ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے اسی معاشرہ میں ہوتا ہے جس کو بدقسمتی سے ہم اسلامی معاشرہ کہتے ہیں، حالانکہ اسلامی معاشرہ میں پہلے یہ چیزیں موجود نہیں تھیں، اور نہ تاریخ میں کہیں اس طرح کی باتوں کا پتہ چلتا ہے، اسلامی معاشرہ ایسے افراد سے بنتا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، شرک وبدعت سے جو بالکل نا آشنا ہوں اور رسوم پرستی، قبرنوازی، اور ان تمام لعنتوں سے پاک ہوں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

آج کے اسلام کا تعلق پہلے کے اسلام سے بالکل نہیں ہے، اگر آج کا اسلام رسم ورواج، شرک وبدعت اور غیر اللہ کی پرستش کو جائز قرار دیتا ہے تو کل کا اسلام اس سے بالکل منزہ تھا، وہاں ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ کے بتائے ہوئے سارے احکام پر عمل ہو، عبادات ومعاملات میں ہر مسلمان اسلامی اصول کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور اسلامی تعلیمات سے ذرہ کے برابر انحراف کو قابل عتاب تصور کرے۔

لیکن جب ہماری عمومی زندگی کا حال یہ ہو کہ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر غیر اللہ کے الہام کیے ہوئے خرافات کو ہم اسلام کا جزء سمجھنے لگیں اور بنیادی عقائد وایمانیات سے بیگانہ ہو کر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جائیں تو بلا شبہ ہمیں اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں اور آئے دن آنے والے عذاب کا شکوہ بھی نہیں کرنا چاہیے، ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتے اور اس کے شعائر کی مدافعت نہیں کر سکتے، تو کس منہ سے ہم یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری حفاظت کرے گا اور مصیبتوں کے وقت وہ ہمارا ساتھ دے گا۔

گذشتہ دنوں ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر جو قیامت نازل ہوئی، وہاں کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا جب جائزہ لیا گیا تو پتہ یہ چلا کہ وہ لوگ اپنی خاص وعام زندگی میں اسلامی تعلیمات سے بہت پیچھے ہٹ چکے تھے اور معاشرہ کی ہر برائی اور گناہ میں وہ آگے آگے تھے، کتنے مسلمان ان میں ایسے تھے جو شراب کی بھٹیوں کے ٹھیکے دار تھے اور شراب نوشی عام کرنے کے لیے وہ باقاعدہ مہم چلاتے تھے، کتنے لوگ سنیماؤں کے مالک تھے اور اس کی برائیوں کو شہ دیتے تھے، اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں کی عام زندگی دین سے بیگانہ ہو چکی تھی، طرح طرح کی برائیاں ان کے گھروں میں داخل ہو چکی تھیں، کسی شر کا استقبال کرنے اور اس کو سینے سے لگا لینے میں ان کو کوئی عار نہیں تھا، بعض دوستوں سے یہاں تک معلوم ہوا کہ ان میں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں میں کوئی فرق نہیں تھا، بلکہ یہ برائیوں میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے، بے پردگی، زنا کاری، شراب نوشی، سود خوری، آزادی اور غفلت، یہ سب کچھ ان کے معاشرہ کا خاص وصف تھا۔

اس کے بعد بھی ہم پر مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں، قیامت کیوں نہ ہمارے سروں پر ٹوٹے، اور ہر طرح کی بے انصافیوں کا نشانہ کیوں نہ ہم بنیں؟ جب تک ہماری زندگی کا یہ حال رہے گا، یہ سب کچھ ہوتا رہے گا اور برابر مصائب وآلام نازل ہوتے رہیں گے، اس لیے ہر طرح کے اقدام سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے، عبادات و معاملات میں ہم خود اپنی اصلاح کریں اور افراد کی اصلاح کے لیے کوشش کریں، اس لیے کہ عوام کی اصلاح خود نہیں ہو سکتی، اس کے لیے کوشش ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ شرط ہے کہ ہماری زندگی ایسا نمونہ ہو جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوں اور اس سے سبق حاصل کریں۔

ملک میں بعض دینی جماعتیں افرادی اصلاح کا کام پوری تندہی سے کر رہی ہیں اور اس کے فوائد بھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں،

لیکن اس وقت جس طرح یہ مرض پھیل چکا ہے اور یہ بیماری جتنی عام ہو چکی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا ذمہ دار سمجھے، اور معاشرہ میں گھس کر وہ لوگوں کے سامنے صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ رکھے۔

جب تک ہماری دینی حالت بہتر نہ ہوگی، اور ہم اپنی نجی زندگی میں سچے مسلمان نہ بنیں گے، اس وقت تک کوئی علاج کارگر نہیں ہوسکتا، اتحاد بین المسلمین کا خواب، سیاسی بیداری کی کوشش سب کچھ اسی وقت مکمل ہوسکتا ہے، جب مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، اور وہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے شیدائی بھی ہوں، بغیر دینی بیداری کے سیاسی بیداری کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

مسلمان اسی وقت ایک زندہ، متحرک، فعال اور گرم جوش عنصر ہوسکتا ہے جب اس میں دینی روح پوری طرح موجود ہو، اسی وقت وہ قوموں کی تقدیریں بدل سکتا ہے اور قیصر وکسریٰ کے ایوان میں زلزلہ پیدا کرسکتا ہے....لیکن مسلمان اس کے بغیر راکھ کا ایک ڈھیر ہے اور مٹی کی ایک تصویر ہے جو پیروں سے روندی جاسکتی ہے، اور بے دردی کے ساتھ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم کو اپنی حالت کے بدلنے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہونے کی فکر نہیں ہے تو ہم کو ہر طرح کی ذلت، رسوائی، اور غلامی کے لیے تیار رہنا چاہیے:

کسی نے شاید اسی موقع کے لیے کہا تھا:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

☆☆☆☆☆

بعثت محمدیؐ کا فضل واحسان

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

دنیا میں علم کی نشر واشاعت اور قافلۂ علم کی رفتار وترقی ان مسلمانوں کی رہین منت ہے جنہوں نے دنیا پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکمرانی کی، مسلمانوں کے بڑے شہر: قاہرہ، بغداد، قرطبہ، اصفہان، قزوین، تبریز، سمرقند اور بخاریٰ علم ومعرفت کے گہوارے اور عالمی تہذیب وتمدن کے سرچشمے تھے، اگر کلیسا کی طرح اسلام کا بھی رویہ علم کے تعلق سے معاندانہ ہوتا تو قافلۂ علم اسی حالت میں ہوتا جس میں وہ ساتویں صدی عیسوی میں تھا، جہاں کتب خانے مقفل تھے، کتابیں ناپید اور مدفون تھیں، غور وفکر اور تدبر پر پابندیاں عائد تھیں، بعض انصاف پسند مغربی فضلاء اور مستشرقین نے انسانیت پر بعثت محمدیؐ کے اثرات واحسانات کا اعتراف کیا ہے اور حقیقت ہے کہ آج دنیا میں جو بھی روشنیٔ علم وہنر ہے وہ سب بعثت محمدیؐ کا فضل واحسان ہے، انسانی تہذیب کے ہر مرحلہ اور میدان میں اسلام کے بے پایاں اور دوررس اثرات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

آج مغرب کے اربابِ علم مسلمانوں کو جہالت کا طعنہ دے رہے ہیں، یہ جہالت اگر ہے تو ان کی ظالمانہ سیاست کا نتیجہ، جس پر یورپی سامراجیوں نے ایک صدی یا دو صدی کی حکمرانی کے درمیان عمل کیا، حقیقت یہ ہے کہ مغربی طاقتوں نے ہی مسلمانوں کے ملکوں میں ایسے حالات پیدا کیے جن سے علم وترقی کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں، انہوں اپنے سامراجی عہد میں حصول علم کے راستے میں روڑے اٹکائے، اور جہاں تک ممکن ہوسکا مغلوب اور مظلوم قوموں کو اپنے سامراجی مفادات کی خاطر کسب علم سے دور رکھا، خود اپنی جہالت اور ناخواندگی کے تاریک دور پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مغربی دانشور یونانیوں کو سرچشمۂ علوم بتا رہے ہیں، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کی تصنیفات چھ سو سال تک اسکندریہ، ایتھنز اور قسطنطنیہ کی بوسیدہ عمارتوں میں مقفل پڑی رہیں، اور بالآخر ان کو طاق نسیاں سے مسلمانوں ہی نے نکالا، ان کے عربی ترجمے کیے، یہی ترجمے یورپ کی نشأۃ ثانیہ میں اہل یورپ تک پہونچے اور ان کے لیے مشعل راہ بنے، آج اس بات کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے کہ بیداری سے پہلے اسلامی سرچشموں سے یورپ کے استفادہ اور کسب فیض کو چھپایا جائے، یہ روش تاریخ سے ناواقفیت یا حقیقت سے چشم پوشی پر مبنی ہے، جبکہ بعض انصاف پسند مغربی فضلاء اس میدان میں مسلمانوں کے احسان اور فضل کا اعتراف کرتے ہیں۔

☆☆☆

محاسن اسلام

تواضع وخوش اخلاقی

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

قرآن و حدیث میں اخلاق کی بہت زیادہ تعریف آئی ہے، اسی لیے اچھے اخلاق والے کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ حسن اخلاق والے کی رسائی نماز پڑھنے والوں کے مقام تک ہوجاتی ہے، یعنی ایسا شخص اپنے اچھے اخلاق کے ذریعہ سے روزہ رکھنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے برابر ہوجاتا ہے، اسی لیے جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلاۃ و ازکی التسلیم بھی اخلاق کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے، آپ سے بڑھ کر کوئی اخلاق والا نہ ہوا ہے، نہ ہے، نہ ہوگا، آپ کے اخلاق سب سے زیادہ عظیم، سب سے زیادہ بڑھ کر ہیں، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سب سے زیادہ قریب اچھے اخلاق والے ہوں گے، غرض کہ اچھے اخلاق کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مدح فرمائی ہے، اور یہ تعریف اسی لیے کی جاتی ہے کہ ہم لوگ ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کریں، تاکہ ہم بھی اچھے اخلاق والوں میں سے ہوجائیں، اسی لیے یہ بھی جاننا ضروری ہوگا کہ اچھا اخلاق کس کو کہتے ہیں اور اس کی علامات کیا کیا ہیں؟ تاکہ ہم لوگ بھی اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کریں۔

تواضع کا تعارف

اخلاق عربی کا لفظ ہے، اس کو عربی میں "خَـلـق" کہتے ہیں، اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک "خَـلـق" ہوتا ہے، دوسرا "خُـلـق" لہٰذا اگر ظاہری حسن و جمال اور ظاہری کشش و جاذبیت کو اچھا کہا جائے گا تو "أحسن خلقا" کہیں گے، یعنی فلاں شخص ظاہری اعتبار سے بڑا خوبصورت و پرکشش ہے، اس کا ہر عضو پیکر حسن و جمال ہے، لہٰذا اگر اس ظاہری اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جناب رسالت مآب علیہ السلام ظاہری اعتبار سے بھی اس قدر شاندار اور پیکر حسن و جمال تھے کہ آپ کے جیسا نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا، اس کے علاوہ جو باطنی کمالات ہیں وہ اگر اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں تو ان کو عربی میں "خُلق" کہتے ہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح حسن کا تعلق سر سے پیر تک ہے اسی طرح اخلاق کا تعلق بھی انسان کے ہر جز سے اور ہر گوشہ سے ہے، ہر ناحیہ اور ہر پہلو سے ہے، غرض کہ اخلاق پوری زندگی پر سایہ فگن ہیں، اور زندگی کے ہر شعبۂ جماعت، اور ہر گھر سے اس کا تعلق ہے، اس لیے آدمی کو اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کرنے چاہئیں، جس کے ذریعہ سے وہ آگے بڑھتا چلا جائے، اور جس قدر وہ اخلاق پیدا کرتا چلا جائے گا اتنی ہی خدا اور بندوں کی نگاہ میں ترقی کرتا جائے گا، یعنی بلند ہوجائے گا، جس کی پہلی تعریف یوں سمجھی جاسکتی ہے کہ آدمی مسکرا کر خوش اخلاقی سے پیش آنا سیکھ جائے، تو یہ اخلاق کا پہلا درجہ ہے یعنی کوئی کسی کے لیے ناک بھنوئیں نہ چڑھائے، کسی سے ملنے کا طریقہ ایسا اختیار نہ کرے کہ ملنے والے کو بھی کدورت ہو، اور سامنے والا شخص بھی برا سمجھے کہ ان کو تو ملنے کا طریقہ بھی نہیں آتا، اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کو جو دیکھتا تھا وہ پہلی ہی نگاہ میں آپ کا ہوجاتا تھا، کیونکہ آپ کی ملاقات کا انداز بھی کچھ اس قدر حسین و جمیل تھا کہ جو آپ سے ملاقات کرلیتا تھا بس آپ ہی کے گن گاتا تھا اور آپ ہی کا ہوجاتا تھا، یہ خوش اخلاقی کی بات تھی، معلوم ہوا اچھے اخلاق کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کا چہرہ ہمیشہ کھلا ہوا ہو، مرجھایا ہوا نہ ہو، ملنے کا طریقہ اچھا ہو برا نہ ہو، پھر اس کے بعد حسن اخلاق کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ کسی کے ساتھ جو بھلا کام کرسکتے ہوں وہ کرنے والے ہوجائیں، یعنی مہمان کی کماحقہ مہمان نوازی کرنے والے ہوجائیں، اس کا تعاون کریں، اور اس کی جو بھی پریشانی ہو وہ حل کریں، یا اگر کسی کی عیادت کا مسئلہ ہو تو اس کی عیادت کے لیے جائیں، اور اگر کسی کو کوئی رکاوٹ آگئی ہو تو اس کو دور کرنے والے بن جائیں، اور حسن اخلاق کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو جو بھی پریشانی لاحق ہو اس کو ہر قسم کی تکلیف سے بچائیں۔

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

مسلمانوں کو ایمان پر ثابت قدم رکھنا

اور علماء امت کی ذمہ داریاں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

موجودہ حالات میں مسلمانوں اور خاص کر علماء، مذہبی جماعتوں اور پیشواؤں کا فریضہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایمان پر قائم رکھنے کے سلسلہ میں پوری فکر مندی سے کام لیں، مسلم سماج کو ارتداد کی طرف لے جانے والے فتنوں سے بچائیں، جہاں جلسوں، اجتماعات اور جمعہ و عیدین کے خطبات میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی جاتی ہے، وہیں مسلمانوں کو ایمان کی حقیقت اور اس کی اہمیت بھی بتائی جائے، جیسے عملی گناہوں کی شناعت بیان کی جاتی ہے، اسی طرح کفر وشرک کی برائی بھی ان کے سامنے رکھی جائے، قرآن وحدیث سے بھی انھیں سمجھایا جائے اور عقیدۂ توحید کی معقولیت، اس کی کائنات کی فطرت سے مطابقت اور شرک کی نامعقولیت بھی انھیں سمجھائی جائے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ وضوء اور روزہ کے نواقض کے مسائل تو بتاتے ہیں؛ لیکن نواقض ایمان نہیں بتاتے، یعنی جن باتوں کی وجہ سے انسان کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، ان کو بھی بتانا چاہیے، موجودہ حالات میں اس کی ضرورت واہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان اور ہدایت کی اہمیت سمجھائی جائے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حُسن انتخاب سے ملتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہی گیا تھا انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ضروری نہیں کہ آپ جسے چاہیں، وہ ہدایت پا جائیں، اللہ تعالیٰ اپنی مشیت خصوصی سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت سے نوازتے ہیں:" إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ" [قصص:۵۶] تمام رشتوں میں سب سے قربت کا رشتہ بیوی اور اولاد کا ہوتا ہے؛ لیکن حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیوی نیز حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے لیے ہدایت مقدر نہیں ہو سکی، [تحریم: ۱۰-ھود: ۴۶] عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مسلمان ہوا، بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وحی کی کتابت کرائی؛ لیکن اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہدایت پر قائم رہنا مقدر نہیں تھا؛ اس لیے پھر مرتد ہو گیا، پھر فتح مکہ کے موقع سے اس نے توبہ کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سفارش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توبہ قبول فرمائی، [مسند بزار، حدیث نمبر: ۱۵۱۱] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر دُعا سکھائی ہے: (اے اللہ! ہدایت پانے کے بعد پھر ہمارے دل کو کجی میں مبتلا نہ فرمادیجیے): "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا"۔[آل عمران:۸]

ایمان کی اس اہمیت کا تقاضہ ہے کہ ایمان کی حفاظت میں جن آزمائشوں سے گزرنا پڑے، ایک صاحب ایمان ان پر صبر کرے، اور اس کے پایۂ استقامت میں کوئی تزلزل نہ آئے، قرآن مجید میں اہل ایمان اور کفر کی نمائندہ ظالم قوتوں کے درمیان تصادم کے بہت سے واقعات نقل کیے گئے ہیں، ان واقعات میں کہیں ایسا بھی ہوا کہ اہل ایمان کو غلبہ حاصل ہوا، یا ایسا معجزہ ظہور میں آیا کہ کفر کی طاقت پاش پاش ہو گئی؛ لیکن بہت سی دفعہ اہل ایمان کو صبر و آزمائش کے مرحلوں سے گزرنا پڑا، اور بظاہر وہ ظلم کی چکی میں پستے رہے، قرآن میں ان واقعات کے تذکرہ کا بظاہر یہی مقصد ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کی کامیابی اور نجات کا وعدہ کیا ہے، اور یہ ایک یقینی بات ہے، ان شاء اللہ اہل ایمان ہی آخرت میں سرخرو ہوں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ بہر صورت مسلمانوں ہی کو مادی کامیابی حاصل ہوگی، ان کے دشمن یقینی طور پر مغلوب ہو جائیں گے، انھیں تکلیف سے آزمایا نہیں جائے گا اور اُن کے لیے پھولوں کی سیج بچھائی جائے گی؛ بلکہ قرآن نے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم تمہیں جان، مال اور اولاد کے نقصان سے ضرور ہی آزمائیں گے:" وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ" [بقرہ:۱۵۵]

قرآن مجید میں متعدد واقعات ذکر کیے

گئے، جن میں اصحاب ایمان کے بعض گروہوں کے ساتھ بڑا ظلم روا رکھا گیا؛ لیکن کبھی انھوں نے دعوت حق سے منھ نہیں پھیرا، قرآن مجید میں ان جادوگروں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں پورے مصر سے جمع کیا تھا، جب ان جادوگروں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں ہیں؛ بلکہ واقعی اللہ کے نبی ہیں، تو وہ ایمان لے آئے، فرعون نے کہا: میں تم سب کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا، اور سولی پر چڑھا دوں گا؛ لیکن ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں تو یوں بھی اللہ کی طرف لوٹنا ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ ہمیں صبر کرنے کی قوت عطا فرما اور اسلام کی حالت میں اس دنیائے فانی سے اُٹھا: "رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ" [اعراف:۶۲۱]۔

قرآن مجید میں ایک اور واقعہ "اصحاب اُخدود" کا ذکر کیا گیا ہے، کچھ لوگ جو حقیقی عیسائیت پر قائم تھے، مشرک حکمرانوں نے ان کو تبدیلیٔ مذہب کے لیے مجبور کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ایک بڑی خندق کھود کر آگ سلگائی گئی، تمام اہل ایمان کو اس دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا اور یہ سب کچھ ان کے ساتھ صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے کیا گیا: "وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ" [بروج:۸] لیکن اس کے باوجود وہ اس پر ثابت قدم رہے، انھوں نے نذر آتش ہو جانا گوارا کیا؛ لیکن دولت ایمان سے محرومی کو قبول نہیں کیا۔

خود صحابہ کرامؓ نے ایمان کے لیے کتنی قربانیاں دیں؟ سیرت کے صفحات قربانی کے ان نقوش سے روشن ہیں، یہ اُمیہ ہے، جو حضرت بلالؓ کو دوپہر کی دھوپ میں مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں گھسیٹتا اور گھسیٹواتا تھا، پھر ان کے سینہ پر پتھر کی چٹان رکھ دیتا تھا کہ وہ اس گرم ریت پر حرکت بھی نہ کرسکیں، اور کروٹ بھی نہ لے سکیں، پھر کہتا تھا: تم کو مرنے تک اسی طرح رہنا ہے، اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار کرو اور لات وعزیٰ کی مورتیوں کی پوجا کرو، قربان جایئے، حضرت بلالؓ پر کہ حالاں کہ ایسے حالات میں ایمان پر قائم رہنے کے ساتھ صرف زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی گنجائش ہے؛ لیکن حضرت بلالؓ کے عشق ایمانی اور جذبۂ قربانی کو یہ بات بھی گوارا نہیں تھی اور ان کی زبان پر "اَحد اَحد" یعنی "اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے" کا کلمہ جاری رہتا تھا۔ [حلیۃ الاولیاء: ج۱/ص۸۴۱]

یہ حضرت خبیب انصاریؓ ہیں، جنھیں اہل مکہ نے گرفتار کرلیا تھا، جب انھیں غزوہ بدر کے بعض مقتولین کے بدلہ میں حرم سے باہر لے کر نکلے؛ تاکہ انھیں قتل کردیا جائے تو ان کی ثابت قدمی کا حال یہ تھا کہ نہ رونا دھونا، نہ آہ وواویلا، نہ جزع و فزع، نہ جان بخشی کی اپیل اور نہ خوشامد، نہ دل کے اطمینان کے ساتھ کلمۂ کفر کا تلفظ کہ جان بچانے کے لیے خود قرآن مجید نے اس کی اجازت دی؛ [سورۂ نحل: ۶۰۱] بلکہ صرف دو رکعت نماز کی اجازت طلب کی اور دوگانہ ادا فرمائی، پھر فرمایا: اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میں نماز لمبی کروں تو تم اس کو موت سے گھبراہٹ سمجھو گے تو میں نماز کو لمبی کرتا: واللّٰہ لولا أن تحسبوا أن ما بی جزع لزدت [بخاری، حدیث نمبر: ۹۸۹۳] اس طرح حضرت خبیبؓ نے اللہ ورسول سے وفاداری کا حق ادا کر دیا؛ چنانچہ یہ مسلمانوں کی سنت بن گئی کہ جب بھی کسی مسلمان کو گرفتار کرکے قتل کیا جاتا تو وہ اس سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرتا۔ [بخاری، حدیث نمبر:۹۸۹۳]

اس لیے مسلمانوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ مسلمان ہونا کوچۂ عشق میں قدم رکھنا ہے، عجب نہیں کہ اس میں آگ کے شعلوں پر چلنا اور کانٹوں بھرے راستہ کو طے کرنا پڑے؛ لیکن جب انسان جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ایسی آزمائشوں کو برداشت کرتا ہے تو ایمان کی نعمت تو اس سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، اس کے لیے تو یہ قربانیاں ہیچ ہیں؛ اس لیے ہر مسلمان کو اللہ سے دُعا کرنی چاہیے کہ ملت اِسلامیہ ایسی آزمائشوں سے محفوظ رہے؛ لیکن اس عزم مصمم اور ارادۂ مستحکم کو اس کے سینہ میں جاں گزیں ہونا چاہیے کہ اگر صبر وآزمائش کے مرحلے آئیں گے، تب بھی ہم اپنی وفاداری پر آنچ نہیں آنے دیں گے کہ پروانگی اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی کہ اس میں شمع پر جل مرنے کا جذبہ کامل موجود ہو۔

فتنۂ ارتداد کے مقابلہ کی بہت بڑی ذمہ داری علماء پر ہے، افسوس کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہمارے فرائض مساجد اور مدارس تک محدود ہیں، اس دائرہ سے باہر جیسی کچھ بھی آفت آجائے، اس سے نمٹنا ہمارے فرائض میں شامل نہیں ہے، وہ

زیادہ سے زیادہ نفل کے درجہ میں ہے، یہ درست نہیں ہے، یہ اپنے مقام ومرتبہ کے ساتھ ناانصافی اور اُمت کے ساتھ ظلم وزیادتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل [المقاصد الحسنة، حدیث نمبر: ۲۰۷] (میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں)، بنی اسرائیل کے انبیاء کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ایک نبی ایک قوم کو اپنی کوششوں کا ہدف اور جدوجہد کا مرکز بناتا تھا، اور اس طرح وہ قوم ہدایت سے سرفراز ہوتی تھی، علماء کا طرز عمل بھی یہی ہونا چاہیے کہ وہ ایک حلقہ کو اپنی کوششوں کا مرکز بنالیں، اور اس حلقہ پر پوری نظر رکھیں کہ کہیں دبے پاؤں ارتداد کا فتنہ آپ کے حلقہ میں داخل تو نہیں ہورہا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إن العلماء ورثة الأنبياء [ابوداؤد: ۱۴۶۳] کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض شارحین نے ایک خوبصورت اور بامعنی اشارہ اخذ کیا ہے کہ انبیاء بلاطلب خود ضرورت مندوں تک پہنچتے تھے، تو عالم کو بھی اُمت کے درمیان بغیر طلب کے پہنچنا چاہیے، جب ہی انبیاء کے وارث ہونے کا حق ادا ہوگا، ضرورت ہے کہ مدارس، مذہبی تنظیمیں، جماعتیں اور علماء ومشائخ اپنی اصلاحی سرگرمیوں کو مساجد، مدارس اور خانقاہوں سے باہر لے کر جائیں، خود اُمت کے دروازوں تک پہنچیں، ملت کے دلوں پر دستک لگائیں اور ان کے ایمان واعمال کی حفاظت کو اپنی ضرورت سمجھیں۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	75/-
۲	روداد چمن	200/-
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/-
۴	تمرین الصرف	75/-
۵	رسالۃ التوحید	80/-
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	185/-
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	200/-
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/-
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/-
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/-
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	30/-
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	40/-
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/-
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/-
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	165/-
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	75/-
۱۷	اسلام کی تعلیم	21/-
۱۸	تفہیم المنطق	180/-
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	25/-
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/-
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/-
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	70/-
۲۳	اصول الشاشی	60/-
۲۴	علم اصول الفقہ	120/-
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/-
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	210/-
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/-

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبہ ندویہ، احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ	8960997707
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنؤ	9936635816

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر **مجلس صحافت ونشریات**

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حکمت وموعظت

ہلالِ عید یا صبحِ اُمید

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہلال رمضان نے ایک نئی فضا پیدا کی، لوگوں میں عبادت وریاضت اور تلاوت ودعا کا ایک عمومی رجحان پیدا ہوا، مزاجوں میں نرمی پیدا ہوئی، حسن سلوک اور محبت وایثار جیسی صفات جگہ جگہ نظر آنے لگیں، اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوئی، کتنے گنہگار بخشے گئے اور کتنے وہ لوگ جو جہنم کے راستہ پر پڑ چکے تھے، توبہ کے نتیجہ میں ان کے لیے بھی جنت کے فیصلے ہوئے۔

اب موسم بہار گذرنے کو ہے، ہلال عید طلوع ہونے کو ہے، پھر وہی رُت ہوگی، وہی روز وشب ہوں گے، لیکن اللہ کے وہ بندے کامیاب ہوں گے جنھوں نے اپنے دامن کو گل مقصود سے بھرلیا، رمضان ان سے خوش گیا، رمضان کے بعد ان کے لیے نئے عزائم ہوں گے، نیا حوصلہ ہوگا، کام کا جذبہ ہوگا، احساس عمل کی چنگاری ان کے دل میں فروزاں ہوگی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہوکر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے پروانہ وار نکل پڑیں گے، ان کے اندر قربانی کے جذبات ہوں گے، امت کا درد ہوگا، جس کو وہ امت کے ایک ایک فرد تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

دنیا کی موجودہ صورت حال نے صبح امید جگائی ہے، لوگوں کو سوتے سے بیدار کیا ہے، اب تک جو خواب غفلت میں تھے، وہ الحمد للہ میدان عمل میں آنے کے لیے بے چین ہیں۔

ہمارا ملک جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ملک ہے، جہاں امام سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے توحید وسنت کا علم بلند کیا اور جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے ایمان کی جوت جگائی، آج پھر وہ اسی جذبہ ایمانی اور عمل پیہم کا پیاسا ہے، اسی محبت کے ساتھ جس کو فاتح عالم کہا گیا ہے۔

جو کچھ بھی واقعات گذرے اور گذر رہے ہیں، وہ مایوسی کے لیے نہیں ہیں، مایوسی تو ایمان والوں کے لیے کفر ہے، یہ واقعات تو جذبہ ایمانی کو جلا بخشنے اور عمل پیہم کو لے کر میدان میں آنے کے لیے ہیں۔

سخت سے سخت حالات کا اس امت کو سامنا کرنا پڑا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ یہ امت کبھی مایوس نہیں ہوئی، وہ نئے حوصلہ ایمانی کے ساتھ سامنے آئی اور اس نے صحابہ کی تاریخ دہرادی، وہ خواہ تاتاریوں کا حملہ ہو یا ہندوستان میں دین اکبری کا فتنہ ہو، جب جب یہ دین خطرہ میں پڑا، اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد تیار کردیے جنھوں نے تجدید کا کام کیا اور وہ ان خطرات کے سامنے سد سکندری بن گئے۔

ضرورت اس عزم کی ہے کہ ہلال عید حقیقت میں ہلال عید بن جائے، وہ خوشیوں کا پیغام لے کر آئے اور امت کے لیے صبح امید کی کرن ثابت ہو، لیکن یہ جب ہی ممکن ہے، جب امت کا ایک ایک فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے، دین کا فہم رکھنے والے اور علماء طے کرلیں کہ ہمیں ہر مایوسی کو امید سے بدلنا ہے، اس کے لیے کم از کم چار کام کرنے کے ہیں، اگر ہم نے اپنی اپنی مشغولیات سے وقت نکال کر ان پر محنت کرلی اور ہر طرح کے انتشار سے بچتے ہوئے اپنے آپ کو تھوڑی قربانی کے ساتھ ان کاموں کے لیے یکسو کرلیا تو صبح امید دور نہیں اور کیا بعید ہے کہ ہلال رمضان کے بعد جن ریاضتوں اور محنتوں سے مسلمانوں نے اپنا دامن بھرا ہے، ہلال عید کے بعد وہ سوغات دنیا میں تقسیم ہو۔

پہلی بات یہی ہے کہ ہم اپنا ایمان مضبوط کریں، اللہ پر یقین دل میں بٹھائیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں کہ سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے اور سچی بات یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو کبھی رسوا نہیں کرتا، شرط یہ ہے کہ ایمان دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اللہ سے تعلق مضبوط ہو اور اللہ کی رسی کو پوری طاقت کے ساتھ تھام لیا جائے، عقیدۂ توحید راسخ ہو اور ہر طرح مداہنت سے بچتے ہوئے دین وشریعت کے ایک ایک حکم کو مضبوطی سے تھاما جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ توبہ واستغفار ہو، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ندامت ہو، حدیث میں آتا ہے: ”التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ“ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں، توبہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے، اس سے بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اپنی آنے والی نسل کے ایمان کی فکر ہو، اس کے لیے سب تدبیریں اختیار کی جائیں، مکاتب دینیہ اور اسلامک اسکولز کا

جال بچھا دیا جائے، شہر شہر ہی نہیں محلّہ محلّہ اس کی فکر کی جائے، لڑکیوں کے لیے الگ سے تعلیم کا مکمل نظم کیا جائے اور اس کے لیے مساجد کو مرکز بنایا جائے، ایک ایک مسجد کے زیر اثر جتنے محلے ہوں ان سب کا مسجد کو سینٹر بنا کر سروے کیا جائے اور مسجد سے متعلق ہر ہر محلّہ کے ایک ایک گھر کی فکر کی جائے اور ان کی دین و دنیا کی ضرورتیں پوری کرنے کا نظام بنایا جائے، اس کے ساتھ مدارس اسلامیہ جو اسلام کے قلعے ہیں ان کو بھی مضبوط کرنے کی فکر رکھی جائے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے اسلام کے اخلاقی نظام کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور جو غلط فہمیاں دماغوں میں بیٹھ گئی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، اس کے لیے دو باتیں بے حد ضروری ہیں؛ پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود اپنی زندگی کا رخ درست کریں، اپنی بد اخلاقیوں اور بے ضابطگیوں کو دور کریں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں جو ہمارے لیے نمونہ ہے، اس کو ہم اپنے لیے نمونہ بنائیں اور دوسری بات یہ ہے کہ برادران وطن کے لیے ایسا لٹریچر تیار کریں اور ان تک پہنچانے کی تدابیر کریں جو غلط فہمیوں کو دور کرے، اس کے لیے ملاقاتیں، ڈائلاگس اور جلسے مفید ہوں گے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے اسی مقصد سے پیام انسانیت کی تحریک شروع کی تھی، یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس کا لٹریچر بھی اس چوتھے کام میں بہت معاون ہوگا۔

یہ چار کام اگر ہم نے کر لیے اور ہر طبقہ تک پہنچنے کی کوشش کر لی، ایمانی جذبہ کے ساتھ، اخلاص و اخلاق کی بلندی کے ساتھ، حوصلہ اور عزم کے ساتھ تو وہ دن دور نہیں کہ جب دنیا کا رخ کچھ اور ہو، راستے کھلتے چلے جائیں، انسانوں کو انسانیت کا مزہ آئے اور دونوں جہان کی کامیابی دنیا کا مقدر بنے۔

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ" [العنکبوت:۶۹] (اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے اور یقیناً اللہ بہتر کام کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے)۔

یہ کچھ گذارشات اس سے پہلے بھی عرض کی گئیں تھیں اور رمضان و عید اور موجودہ حالات کی مناسبت سے دوبارہ پیش کی جارہی ہیں، کیا بعید ہے کہ کرنے والوں کے لیے اس میں حکمت و موعظت کا کچھ سامان ہو۔

☆☆☆☆☆

اسلامی نظامِ تعلیم و تربیت

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

اس سے انکار نہیں کہ مغربی نظام تعلیم کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مغرب نے اپنے اس نظام تعلیم کی بدولت سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت، حرفت، ریاضی، انجینئرنگ، فلکیات، طبعیات اور دوسرے علوم وفنون میں کامیابی کی منزلیں طے کیں، ایجادات پر ایجادات کیں، چاند پر کمندیں ڈالیں، سمندر کی گہرائیاں ناپیں، فتوحات پر فتوحات حاصل کیں، یہاں تک کہ آج وہ اپنے اسی نظام تعلیم کی بدولت اس منزل تک پہنچ گیا کہ اس نے دنیا کو اپنی مٹھی میں کر لیا، لیکن ساتھ ساتھ اس نے انسان کو بحیثیت انسان کے جینے سے محروم کر دیا، امن کو غارت کر دیا، سکون کو برباد کیا، خاندان نظام کو درہم برہم کیا، دلوں کو محبتوں سے خالی کیا، اور اس کی شکل بدل کر اس کو ایک تجوری بنا دیا، جسم کی ضرورتوں سے کس کو انکار، آرام وراحت سے کس کو بیر، فرد کی اہمیت کسے تسلیم نہیں، ذاتی نفع و نقصان کی کس کو فکر نہیں، دنیاوی ترقی کی تمنا کس کے دل میں نہیں، لیکن روح کو نظر انداز کر کے، آخرت کو فراموش کر کے، انسان کی انسانیت کو پامال کر کے، سماجی تقاضوں کو پس پشت ڈال کے، ماں باپ، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے ناطہ توڑ کر کے صرف اپنی ذات تک اپنی سوچ کے دائرہ کو محدود کر لینا' یہ طرز عمل جانوروں کا تو ہو سکتا ہے کسی انسان کا نہیں، جنگل میں تو اس طریقہ سے رہا جا سکتا ہے لیکن انسانی آبادی میں نہیں۔ یقیناً ہر قوم کو ضرورت پڑتی ہے ڈاکٹروں کی، انجینئروں کی، سائنس دانوں کی، صنعت کاروں کی، قانون دانوں کی، ریاضی کے ماہرین کی اور دوسرے علوم وفنون میں دسترس رکھنے والوں کی، مسلم معاشرہ کو بھی ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، لیکن اسلامی تعلیمات کے ساتھ، اعلیٰ انسانی قدروں کے ساتھ، ہمدردی و غمخواری کے جذبہ کے ساتھ، دوسروں کے دکھ درد کے احساس کے ساتھ، اور یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں تو اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے مرحلہ سے گذر کر۔

☆☆☆

فکر و نظر

حجاب اور شرعی و ملکی قانون

ارشد علی ندوی

اسلام میں شرعی دلائل چار ہیں: ۱-قرآن، ۲-حدیث، ۳-اجماع، ۴-اور قیاس

اس کا ثبوت قرآن کریم میں موجود ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ،فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ،ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا" (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں ذمہ دار ہیں، پھر اگر کسی چیز میں تم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوش تر ہے)۔

اس آیت میں اطاعت اللہ سے مراد قرآن، اطاعت رسولؐ سے مراد حدیث وسنت، اطاعت اولی الامر سے مراد اجماع، اور اختلافی مسائل کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے سے مراد قیاس ہے۔

[علم اصول الفقہ، ص:۱۲]

ان چاروں دلائل شرعیہ کی مختصر تعریف:

قرآن

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ر سال کی مدت میں نازل ہوا۔

حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو حدیث کہتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی کام یا بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی تو وہ بھی حدیث کے حکم میں ہے۔

اجماع

اجماع کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں کسی مسئلہ پر تمام مجتہدین کی رائے یکساں ہو، تو اس متفق علیہ رائے کو اجماع کہتے ہیں۔

قیاس

قیاس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مسائل جن کی صراحت قرآن وحدیث میں نہ ہو، ان کو قرآن وحدیث میں مذکور مسائل سے مقابلہ کرکے ان کا حل نکالنا۔

اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ دنیا میں جب کوئی واقعہ پیش آئے گا، تو اس کے حل کے لیے اوّلاً قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر اس میں اس سلسلے میں کوئی حکم موجود ہو تو اس کو جاری کیا جائے گا اور اگر اس میں اس کا حکم موجود نہ ہو تو، پھر حدیث شریف کو دیکھا جائے گا، اگر اس میں اس کا حکم موجود ہو تو اس کو جاری کیا جائے گا اور اگر اس میں بھی اس واقعہ کے متعلق کوئی حکم موجود نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ کیا کسی زمانے میں مجتہدین نے اس واقعہ کے متعلق کسی حکم پر اجماع کیا ہے؟ پس اگر اس مسئلہ میں اجماع مل جائے تو اس کو نافذ کیا جائے گا اور اگر اس کے متعلق اجماع بھی نہ ملے تو پھر قیاس کا نمبر آتا ہے، لہٰذا اس میں قیاس کیا جائے گا۔[یہ ساری تفصیل 'علم اصول الفقہ' سے ماخوذ ہے]

اس ترتیب سے شرعی دلائل سے استدلال کرنے پر حدیثیں بھی موجود ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا: جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے پیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کروگے؟ تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کتاب اللہ (قرآن) سے فیصلہ کروں گا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں اس کا حکم قرآن میں نہ ملے تو کیا کروگے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ پھر سنت رسول اللہ (حدیث) کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں اس معاملہ کا حکم حدیث میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کروگے، تو انھوں نے جواب دیا کہ (قرآن وحدیث میں غور کرکے) اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا، حضرت معاذ بن جبل کے اس بہترین جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف وتحسین فرمائی۔

[سنن ابی داؤد، حدیث:۳۵۹۲]

اس حدیث میں دلائل شرعیہ میں سے صرف تین دلائل کا ذکر ہے۔ قرآن، حدیث اور قیاس کا، اجماع کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اس کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ کی موجودگی میں اہل علم حضرات آپ سے پوچھے بغیر کسی مسئلہ پر

اجماع کریں، البتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کی حاجت ہوئی، لہٰذا خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوتا تو سب سے پہلے اس کا حکم 'قرآن' میں تلاش کرتے، اگر اس میں اس کا حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے، اگر اس میں اس کا حکم نہ ملتا تو پھر 'حدیث' کی طرف رجوع کرتے، اگر اس میں اس کا حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ صادر کرتے، اور اگر اس مقدمہ کا حل 'قرآن وحدیث' دونوں میں نہ ملتا تو پھر سربرآوردہ اور علمی شخصیات کو جمع کرتے، ان سے مشورہ لیتے، پھر ان سب کے اتفاق کے مطابق فیصلہ فرماتے۔

[مسند احمد بن حنبل، حدیث:۱۲۲۰۰]

خلیفۂ اوّل کے اس عمل سے اجماع کا ثبوت صراحتاً معلوم ہوتا ہے، پھر یہی معمول اسلام کے دوسرے خلفاء کا رہا۔

اسی طرح اجماع کے دلیل شرعی ہونے پر ایک مضبوط حدیث یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میری امت غلطی پر کبھی متفق نہیں ہوگی'۔ یعنی میری امت اگر کسی مسئلہ پر اتفاق کرلے تو سمجھ لو کہ وہ مسئلہ حق ہے، غلط نہیں ہوسکتا۔

اجماع کے دلیل شرعی ہونے پر مضبوط ترین دلیل قرآن کریم کی ایک آیت کا یہ ٹکڑا ہے:

"وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" (اور جو اہل ایمان کے راستے سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جدھر بھی رُخ کریگا اسی رُخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے اور اس کو جہنم رسید کریں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے)۔

اس تمہید کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتا ہوں کہ کیا حجاب کرنا یعنی عورت کا اپنے سر کے بالوں کو ڈھکنا، ان مذکورہ بالا چاروں شرعی دلائل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اگر ثابت ہے تو پھر اس کا حکم کس درجہ کا ہے آیا فرض ہے کہ جس کے انکار سے کفر اور نہ کرنے سے گناہ لازم آتا ہے یا صرف اختیاری مسئلہ ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ کسی بھی حکم شرعی کے لیے ان چاروں دلائل میں سے صرف کسی ایک دلیل سے اس کا ثبوت کافی ہے، لیکن یہ حسن اتفاق ہے کہ بہت سے مسائل کی طرح مسئلۂ حجاب ان چاروں دلائل سے ثابت ہے، اس سے حجاب کی اہمیت ولازمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اب دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں:

۱- پردہ کا حکم قرآن مجید کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ" [سورۃ الاحزاب:۹۵] (اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے اوپر لٹکا لیا کریں)۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہرات کے لیے نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہے کہ جب وہ باہر نکلیں تو اپنی چادریں اپنے سروں پر ڈال کر اپنے بالوں، چہرہ اور سینے وغیرہ کو چھپالیا کریں۔

'اَدنیٰ' اور 'جِلبَاب' کی لغوی تحقیق:

عربی زبان کی مشہور لغت "المعجم الوسیط" میں ہے: أدنىٰ أي قرّب و أرخى، ادنٰی کا معنی ہے قریب کرنا، لٹکانا (باب الدال) عَلٰی کا معنی ہے پر، اوپر۔

اور 'جلباب' کی توضیح میں لکھا ہے:

"الجلباب" ج "جلابيب" "الخمار و ما يلبس فوق الثياب كالملحفة والملائة تشتمل بها المرأة". [باب الجیم] ('جلباب' جس کی جمع جلابیب ہے، اس سے مراد اوڑھنی اور وہ چیز ہے جو کپڑوں کے اوپر استعمال کی جاتی ہے جیسے چادر اور بڑا دوپٹہ عورت جس کو اپنے اوپر لپیٹتی ہے)۔

اور عربی کی مستندترین لغت "لسان العرب" میں 'جلباب' کا معنی لکھا ہے کہ "الجلباب ثوب أوسع من الخمار تغطي به المرأة رأسها وصدرها" ۔[باب جلب] (جلباب کہتے ہیں ایسے کپڑے کو جو دوپٹہ سے زیادہ کشادہ ہوتا ہے، جس سے ایک عورت اپنے سر اور سینے کو ڈھکتی ہے)۔

اس آیت کی تفسیر میں حِبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"أمر الله نساء المومنين إذا خرجن من بيوتهن فى حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب و يبدين عيناً" [تفسیر ابن کثیر] (اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کو اپنے سروں پر سے ڈال کر اپنے چہروں کو چھپالیں، صرف آنکھ کھلی رکھیں)۔

مندرجہ بالا تحقیقات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ مسلم عورتیں اپنے پورے جسم کی طرح اپنے سر، سینہ اور چہرہ کے اکثر حصّے کو بھی چھپائیں، صرف آنکھیں کھلی رکھ سکتی ہیں تا کہ وہ ان کی مدد سے دیکھ سکیں اور یہ تاکیدی حکم ہے، لہٰذا حجاب کرنا فرض ہوا۔

۲- پردہ کا حکم حدیث شریف کی روشنی میں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت مکمل ستر ہے۔

[سنن الترمذی، حدیث:۱۱۷۳]

اور ستر کا چھپانا فرض ہے، لہٰذا عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے پورے بدن کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھے، البتہ دوسری بعض روایتوں کے پیش نظر بعض اہل علم نے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو عورت کے ستر کے حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے، لیکن ان تینوں کے علاوہ جسم کے بقیہ تمام حصے کے ستر ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

۳- پردہ کا حکم اجماع امت کی روشنی میں:

اسلام کی ابتدا سے لے کر آج تک ہر زمانے کے مجتہدین نے عورت کے سر کو اس کے ستر میں شامل مانا ہے اور ستر کو چھپانے کی فرضیت پر اتفاق کیا ہے، لہٰذا یہ شریعت کا اجماعی مسئلہ ہوا، اور اجماع کا حکم یہ ہے کہ اجماعی مسئلہ قرآن کی طرح قطعی ہوتا ہے، اسے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔[الموجز فی اصول الفقہ، ص:۴۳۲]

یعنی اگر کوئی لڑکی حجاب نہیں کرتی، اپنے سر کے بالوں کو نہیں چھپاتی تو وہ اسلام کے ایک ضروری حکم کو چھوڑنے والی ہو کر گنہگار ہوگی، اور اگر وہ اس بات سے انکار کر بیٹھتی ہے کہ حجاب کرنا اسلام کا حکم ہے، تو وہ کفر کا مرتکب ہوگی اور اسلام سے خارج ہو جائے گی۔

اب آپ بتائیں کہ حجاب اسلام کا لازمی حصّہ ہے یا نہیں؟ اس سے بڑھ کر ضروری بات کیا ہو سکتی ہے کہ جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہو اور جس پر عمل نہ کرنے سے گناہ اور اللہ کی ناراضی اُترتی ہو۔

۴- پردہ کا حکم قیاس کی روشنی میں:

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جو مذہب محرکات زنا کو ایک ایک کر کے ان کی مخالفت کرتا ہو، جو نامحرم عورت کو دیکھنے پر پابندی لگاتا ہو اور غض بصر کا حکم دیتا ہو، جو مرد اور عورت کو تنہائی میں یکجا ہونے سے روکتا ہو، جو عورت کو کسی غیر مرد سے بات کرتے وقت نرم لہجہ اختیار کرنے سے منع کرتا ہو۔ وہ مذہب چہرہ اور سر کھلا رکھنے کی اجازت دیدے جب کہ دراصل چہرہ ہی سے کسی عورت کی شخصیت اور اس کے حسن و جمال کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا جس طرح اسلام برائی کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے عورت کو باز رہنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح چہرہ اور سر کو چھپانے کا بھی تاکیدی حکم دیتا ہے جو کہ برائی کے بڑے محرکات میں سے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عورت کے لیے حجاب کرنا یعنی غیر مردوں سے اپنے سر اور چہرہ کو چھپانا شریعت کے چاروں دلائل قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سب سے ثابت ہے۔

البتہ چہرہ کے ستر ہونے میں مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے لیکن سر کے داخل ستر ہونے اور اس کے چھپانے پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لہٰذا یہ حکم قرآنی اور اجماعی مسئلہ ہونے کی وجہ سے فرض ہوا، بس حجاب کے انکار سے کفر یعنی اسلام سے خروج لازم آتا ہے اور حجاب نہ کرنے سے گناہ ثابت ہوتا ہے۔

اب اگر جج صاحبان، وکلاء اور دانشوران اس بات کو تسلیم کر لیں اور کہیں کہ ٹھیک ہے ہم مانتے ہیں کہ حجاب کرنا یعنی مسلم عورت کا اپنے سر کو چھپانا اسلام کا اس قدر ضروری حصّہ ہے کہ اس کے انکار سے کفر اور عدم تعمیل سے گناہ لازم آتا ہے، لیکن ملک کے کسی بھی کالج یا اسکول کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جیسا چاہے اپنا یونیفارم نافذ کرے اور اس میں پڑھنے والے ہر طالب علم کو اس کی پابندی کرنا ضروری ہے، تو میں کہوں گا کہ آپ کی یہ رائے خود ملک کے قانون کے خلاف ہے، کیوں کہ آئین کے لحاظ سے ملک کے ہر باشندہ کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے، لہٰذا ملک کے اندر کوئی بھی شخص یا ادارہ یا تنظیم اس پر عمل کرنے سے اسے روک نہیں سکتی، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ ملک کے ایک باشندہ کو ملکی قانون پر عمل کرنے سے روکنے والے قرار دیئے جائیں گے، کیوں کہ کسی بھی ادارہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے ادارہ میں کوئی ایسا رول بنائے جو آئین کے خلاف ہو اور چوں کہ ملک کے ہر باشندہ کو اس کے مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے کی آزادی اِس ملک کا آئین دیتا ہے، لہٰذا اگر کوئی کالج اپنے یہاں ایسا کوئی رول بناتا ہے جو اس ملک کے کسی مذہب کے خلاف ہے اور اس کی وجہ سے اس کالج میں اُس مذہب کے اسٹوڈنس کے لیے دقتیں ہیں، تو چاہیے کہ وہ اپنا قانون تبدیل کرے ورنہ وہ ملک کا باغی اور آئین کا مخالف کہلائے گا۔

☆☆☆☆☆

یاد رفتگاں

محمد متولی الشعراوی- عہد جدید کا مفسر و مبلغ

وصی احمد الحریری ندوی

محمد متولی الشعراوی جنہیں امام الدعاۃ بھی کہا جاتا ہے، مصر کے ایک مشہور عالم اور مفسر قرآن تھے، ان کی پیدائش ۱۵/اپریل ۱۹۱۱ عیسوی کو مصر کے ایک متوسط گھرانے میں ہوئی تھی، انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا تھا، شعراوی بچپن سے ہی بڑے ذہین اور دوست و احباب میں بڑے مقبول تھے، والد کی سرپرستی اور رہنمائی میں انہوں نے شعروادب کا وافر حصہ زبانی یاد کرلیا تھا، اسی طرح نہ یہ کہ وہ صرف علم وفن تک محدود تھے بلکہ سیاست میں بھی وہ اچھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے، اور انگریزی استعماریت کے خلاف احتجاج ومظاہرہ کی وجہ سے وہ طالب علمی کے زمانے میں کئی بار جیل بھی جا چکے تھے، ابتدائی دنوں میں وہ جماعت اخوان المسلمین سے منسلک رہے اور جماعت کی فکرودعوت اور حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے کافی متاثر تھے، انور سادات کے عہد میں وہ مصر کے وزیر اوقاف بھی رہے اور ملک وبیرون ملک کے کئی بڑے اداروں مثلاً جامعہ ازہر، جامعہ ام القری، جامعہ ملک عبد العزیز وغیرہ میں تعلیمی اور تدریسی خدمات مسلسل پیش کرتے رہے، کہا جاتا ہے کہ ایک اسلامی داعی کی حیثیت سے ان کی اصل شہرت اس وقت ہوئی جب انہوں نے 'نور علی نور' نامی پروگرام کا آغاز مصر کے ایک ٹی وی چینل سے کیا اور یہ سلسلہ مسلسل دس سالوں تک چلا، اسی طرح مساجد میں دیے گئے ان کے تفسیری دروس 'خواطر ایمانیہ' کے نام سے ٹیلیویژن پر پابندی سے نشر ہوتے رہے اور ان کی شہرت کو دوام بخشتے گئے، ان کی دعوت کے نتیجہ میں مصر کی بے شمار خواتین فنکاروں نے اپنے فن سے کنارہ کشی اختیار کرکے حجاب اختیار کرلیا تھا، مصر میں اسلامی بینکنگ کے قیام میں بھی ان کا بہت بڑا رول رہا ہے۔

شعراوی نے بیشتر کتابیں قرآن کریم کے پیغام، عقیدہ کے مسائل، فقہ اسلامی کے احکام اور اسلامی فکر ونظر جیسے موضوعات پر لکھی ہے، جن میں المنتخب فی تفسیر القرآن، نظرات فی القرآن، الطریق الی اللّٰہ، علی مائدہ الفکر الاسلامی، الاسلام و الفکر المعاصر اور الشوری والتشریع فی الاسلام وغیرہ کافی مشہور ومقبول ہیں۔

شعراوی اور مستشرقین کا رد

شعراوی نے مستشرقین کے قرآن مجید پر الزامات کا تشفی بخش جواب دیا ہے، ان کا ماننا ہے کہ مستشرقین کے قرآن پر بعض سوالات اس لیے پیدا ہوگئے ہیں کیونکہ ان کی زبان عربی نہیں تھی اور نہ ہی عربی میں انہیں ملکہ حاصل تھا، مستشرقین کا بعض آیتوں کو لے کر یہ الزام ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں ایک دوسرے کے متصادم اور متضاد ہیں۔

مثلاً سورۃ منافقون کی اس آیت کو بغور ملاحظہ کیجیے:

"إِذَا جَائَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ" (اے محمد! جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو ازراہ نفاق کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ بیشک خدا کے پیغمبر ہیں اور خدا جانتا ہے کہ آپ حقیقت میں اس کے پیغمبر ہیں، لیکن خدا ظاہر کیے دیتا ہے کہ منافقین دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے اعتبار سے جھوٹے ہیں)۔

اس آیت کے بارے میں مستشرقین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں تعارض ہے، وہ اس طرح کہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافقین یہ اقرار کررہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں اور بعینہ اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کہا جارہا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب شعراوی نے اس طرح دیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ان منافقین کے اس قول سے اتفاق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں لیکن اللہ نے ان کے اس قول پر کذب کا حکم لگایا ہے کہ وہ "نشہد" کے ذریعہ اگر اقرار کررہے ہوتے تو زبان اور دل دونوں سے کرتے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شہادت منافقین کی شہادت کا رد اور جواب ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر پر منافقین کے مکر اور فریب کو بھی واضح کررہا ہے، کیونکہ شہادت ایک الگ چیز ہے اور یہ کہنا کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں ایک الگ چیز ہے۔

مستشرقین کا دوسرا اعتراض سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الصافات کی ان دو آیتوں پر ہے:

"فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا

جانؒ" (پھر اس دن نہ کسی انسان سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھا جائے گا اور نہ کسی جن سے)۔

"وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ" (اور انھیں ٹھہراؤ، بے شک یہ سوال کیے جانے والے ہیں)۔

مستشرقین کا ان دو آیتوں کے حوالے سے اعتراض یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے وہ اس طرح کہ پہلی آیت میں کہا جا رہا ہے کہ بندوں سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جبکہ دوسری آیت میں ہے کہ سوال کیا جائے گا۔

شعراوی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سوال دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک سوال معلومات حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے جسے سوال الاستخبار والاستعلام کہتے ہیں، اور یہ اصطلاح میں منفی سوال ہے کیونکہ اللہ تعالی کو بندوں کے سارے اعمال کا علم ہوتا ہے، اور سوال کی دوسری قسم وہ ہے جس میں عمل کے اقرار و اعتراف کے لیے سوال کیا جائے جیسا کہ ایک استاد اپنے شاگرد سے کرتا ہے اور دوسری آیت میں جو سوال ہے وہ اسی نوع اور قبیل کا ہے۔

مقام ابراہیم کی نقل مکانی کا مسئلہ اور شعراوی کا موقف

مقام ابراہیم کی منتقلی کا مسئلہ ۱۹۵۴ء میں پیش آیا تھا، اس وقت کے سعودی فرمانروا کنگ سعود نے مطاف کی توسیع کا جب ارادہ کیا تا کہ طواف کرنے والوں کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو اتفاق سے شیخ شعراوی اس وقت سعودی کے ہی شریعہ کالج میں استاد تھے، اس واقعہ کے بارے میں سنتے ہی وہ فوراً ہی حرکت میں آ گئے اور سعودی اور وفد میں آئے مصر کے علماء سے رابطہ کیا لیکن انہوں نے بتایا کہ یہ معاملہ تو اپنے انجام کو پہونچ چکا ہے پھر بھی انہوں نے پانچ صفحات پر مشتمل ایک تار کنگ سعود کو بھیجا اور اس میں اس مسئلہ کا تاریخی اور فقہی جائزہ لیا اور یہ دلیل پیش کیا کہ جن لوگوں نے پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے استدلال کیا ہے وہ لوگ درست ہیں، کیونکہ وہ پیغمبر اور قانون ساز تھے انہیں ان چیزوں کے کرنے کا اختیار حاصل تھا جو سب کو نہیں ہوتا ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے استدلال کیا کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مقام ابراہیم کو اسی جگہ پر باقی رکھا جس جگہ پر وہ پہلے تھا کیونکہ اس وقت شدید طوفان کے ایک واقعہ کے سبب وہ اپنی جگہ سے ذرا ہٹ گیا تھا، جب شعراوی کا یہ تار کنگ سعود تک پہونچا تو انہوں نے علماء کو جمع کر کے ان سے شعراوی کے تار کے مطالعہ کی درخواست کی، مطالعہ کے بعد تمام علماء نے شعراوی کی باتوں سے اتفاق کیا، اس کے بعد کنگ سعود نے مقام ابراہیم کو منتقل نہ کرنے کا فرمان جاری کیا، اور ساتھ ہی کنگ نے علماء کو مطاف کی توسیع پر شعراوی کی تجاویز کے مطالعہ کا حکم دیا، اس تعلق سے شعراوی کی یہ تجویز تھی کہ پتھر کو پرانی جگہ جو کہ ایک بڑی عمارت کے حصار میں تھا جس سے طواف کرنے والوں کو دقت پیش آتی تھی، کو منتقل کرنے کے بجائے چھوٹے سے شیشہ کے ایک مضبوط حصار میں رکھا جائے۔

شعراوی کی وفات

ایک طویل مدت تک اپنے علم وفضل سے پوری امت مسلمہ کو سیراب کرنے کے بعد ۱۷ر جون ۱۹۹۸ء متولی شعراوی اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کر گئے اور مصر کے اپنے گاؤں دقادوس میں آسودہ خاک ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

نعمتِ خداوندی کی ناشکری

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

مال خدا کا ایک عظیم عطیہ اور وہ ایک ایسی بیش بہا نعمت ہے، جس سے دنیا و آخرت کے بے شمار کام ہوتے ہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر یہ ہے کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے اور صحیح طریقہ سے کیا جائے، یہ ہے اس کی صحیح قدر و قیمت، مال کے کمانے اور خرچ میں بے احتیاطی، مال کی بڑی بے قدری اور خدا کی نعمت کی بڑی ناشکری ہے، جو لوگ غلط طریقوں سے مال حاصل کرتے ہیں یا حرام طریقہ سے روپیہ کماتے ہیں وہ خدا کے ناشکر گزار اور خدا بیزار بندے ہوتے ہیں اور پھر ایسے مال کا نتیجہ بھی اکثر خراب ہوتا ہے، مال جس طرح آتا ہے اسی طرح چلا جاتا ہے، مثل مشہور ہے: "مال حرام بود بجائے حرام رفت" ان کی روزی میں کوئی برکت نہیں ہوتی بلکہ ایسا مال بعض دفعہ وبال جان بن جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان مرد و عورت کماتے وقت اور خرچ کرتے وقت اس کو ضرور سوچ لے کہ یہ مال کس طریقہ سے آ رہا ہے اور کس راستہ سے جا رہا ہے؟؟۔

☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: حج کن لوگوں پر فرض ہے؟

جواب: حج ہر ایسے مسلمان پر فرض ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور تندرست ہو اور اس کے پاس بنیادی ضرورتوں کے علاوہ اتنا مال ہو کہ اس کی حالت اور حیثیت کے مطابق خانہ کعبہ آنے جانے کے خرچ اور زادِ راہ کے لیے کافی ہو، اس کے علاوہ جن متعلقین کا خرچ اس کے ذمہ واجب ہو ان کو دیا جاسکے، نیز راستہ مامون ہو اور عورت کے لیے محرم ہو۔ [فتح القدیر: ج۲/ص۴۱۰]

سوال: جس سال حج فرض ہو تو کیا اسی سال حج کے لیے جانا ضروری ہے یا تاخیر کی بھی گنجائش ہے؟

جواب: حج جس سال فرض ہو جس قدر ممکن ہو اسی سال حج کرلے، بلا عذر تاخیر کرنے سے گناہ ہوگا، البتہ اگر تاخیر کے بعد حج کرلیا جائے تو گناہ معاف ہوجائے گا۔

[زجاجۃ المصابیح: ج۲/ص۲۹]

سوال: اگر کسی پر حج فرض ہوجائے، اس کے باوجود بلا کسی عذر کے حج نہ کرے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: استطاعت کے باوجود بلا عذر حج نہ کرنے والوں کے بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے اور ان کے خاتمہ بالخیر نہ ہونے کا اندیشہ ظاہر فرمایا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو یہودی ونصاریٰ سے تشبیہ دی ہے۔ [زجاجۃ المصابیح: ج۲/ص۹۵]

سوال: حج نہ ادا کرنے والوں کو حدیث میں یہود ونصاریٰ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حج نہ ادا کرنے والے کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہودی ونصاریٰ نماز پڑھتے تھے، لیکن حج نہیں کرتے تھے۔

[حجۃ اللہ البالغۃ: ص/۳۸۶]

آج ہمارے معاشرے میں اس پہلو سے دیکھا جائے تو کتنے ہی ایسے افراد ملیں گے جو استطاعت کے باوجود ٹال مٹول کرتے ہیں۔

سوال: کسی نے اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کی ہو تو کیا وہ حج کے لیے جاسکتا ہے؟

جواب: لڑکیوں کی شادی نہ ہونا حج کے فرض ہونے میں مانع نہیں ہے، جس پر حج فرض ہوگیا ہو وہ حج ادا کرنے کی کوشش کرے، خواہ لڑکیوں کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، حج تو ایک ایسا بابرکت عمل ہے جو گناہ کو بھی دور کرتا ہے اور فقر ومحتاجی کو بھی۔

[جامع ترمذی: حدیث/۸۱۰]

سوال: جو لوگ ملازمت کی غرض سے سعودی عرب جاتے ہیں اگر وہ وہیں سے حج کرلیں تو کیا حج ادا ہوجائے گا یا نہیں یا اپنے وطن سے جانا ضروری ہے؟

جواب: جو لوگ ملازمت کی غرض سے سعودی عرب جاتے ہیں اگر وہاں جاکر وہ حج کرلیں تو حج ادا ہوجائے گا، اس کے لیے اپنے وطن یا ملک سے مستقل طور پر جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ شریعت اسلامی نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ خود حجاج حج کے موقع سے کچھ تجارت بھی کرسکتے ہیں۔

[احکام القرآن لابن عربی: ج۱/ص۱۳۶]

سوال: ایک شخص پر حج فرض تھا؛ لیکن وہ حج کے لیے جا نہیں سکا، سوء اتفاق اس کا مال ضائع ہوگیا، اب وہ کیا کرے؟

جواب: ایسے شخص کے لیے گنجائش ہے کہ وہ قرض لے کر حج ادا کرلے پھر قرض ادا کرنے کی کوشش کرے۔ [ردالمحتار: ج۲/ص۱۹۲]

سوال: ایک شخص نے غربت کی حالت میں قرض حسنہ لے کر حج ادا کیا، اب وہ مالدار ہوگیا ہے، کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے یا غربت کی حالت میں کیا ہوا حج کافی ہوگیا؟

جواب: اگر غریب آدمی کسی طرح مکہ مکرمہ پہونچ گیا اور حج کرلیا اس کے بعد وہ شخص مالدار ہوگیا تو اس کے ذمہ سے حج ادا ہوگیا ہے، اب دوبارہ حج کے لیے جانا ضروری نہیں، بلکہ حالت غربت میں کیا ہوا حج کافی ہوگیا: "ولو حج الفقیر ثم استغنیٰ لم یحج ثانیاً"۔

[ردالمحتار: ج۲/ص۳۳۲]

سوال: ایک شخص کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج ادا کرسکتا ہے؛ لیکن اس کے پاس ذاتی مکان نہیں ہے، بلکہ کرایہ کا مکان لے کر رہ رہا ہے، رقم اتنی نہیں ہے کہ وہ حج بھی کرے اور مکان بھی بنائے، بلکہ یا تو حج کرسکتا ہے یا مکان بناسکتا ہے، ایسی صورت میں کیا کرے؟

جواب: اس صورت میں پہلے حج ادا کرے، مکان بعد میں بھی بن سکتا ہے، بلکہ حدیث میں ہے کہ حج گناہ کو بھی دور کرتا ہے اور فقر ومحتاجی کو بھی، لہٰذا پہلے حج کرلے۔

[الدر المختار علی ردالمحتار: ج۲/ص۱۹۸]

☆☆☆☆☆

جامعۃ الھدایۃ

JAMEA-TUL-HIDAYA

اعلان داخلہ

مشہور ومعروف دینی درسگاہ جامعۃ الہدایہ، جے پور جو کہ اپنے امتیازی نصابِ تعلیم قدیم صالح وجدید نافع کا حسین امتزاج ہے، میں نئے تعلیمی سال ۴۴-۱۴۴۳ھ مطابق ۲۳-۲۰۲۲ء کیلئے آن لائن رجسٹریشن جاری ہے۔

نیز فارغین مدارس کے لئے یک سالہ آن لائن افتاء ویک سالہ آن لائن انگلش اسپیکنگ کورس میں بھی رجسٹریشن جاری ہے۔لہٰذا داخلہ کے خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل **Website** پر جاکر **Registration for Admission** پر Click کرکے اپنا رجسٹریشن کراسکتے ہیں، داخلہ آف لائن ٹیسٹ کی بنیاد پر ہوگا۔

ویب سائٹ: **www.jameatulhidaya.org**

نوٹ: داخلے درجہ اعدادیہ اولیٰ (VI) تا عالمیت وافتاء وانگلش اسپیکنگ کورس اور شعبۂ حفظ وتجوید میں مطلوب ہیں نیز ان درجات میں داخلے آف لائن ٹیسٹ کی بنیاد پر ہوں گے البتہ شعبۂ افتاء وانگلش اسپیکنگ کورس میں داخلے کیلئے ٹیسٹ آن لائن ہی ہوگا۔

ٹیسٹ کی تاریخیں:

پہلا داخلہ ٹیسٹ	۱۳ر شوال المکرم ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۵ر مئی ۲۰۲۲ء	بروز اتوار
دوسرا داخلہ ٹیسٹ	۱۶ر شوال المکرم ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۸ر مئی ۲۰۲۲ء	بروز بدھ
تیسرا داخلہ ٹیسٹ	۲۰ر شوال المکرم ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۲ر مئی ۲۰۲۲ء	بروز اتوار

JAMEA-TUL-HIDAYA

Ramgarh Road, Near Manpur Sarwa, Lalwas,Jaipur-302027
Contact No.: **9460074067, 9799091663, 9887878318**
E-mail:jameahidaya@gmail.com I Website: www.jameatulhidaya.org

ندوة العلماء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW

226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالےٰ

تاریخ ۱۰ ارمئی ۲۰۲۲ء

Date 10 May 2022

اہل خیر حضرات سے!

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی و دینی تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لئے ندوۃ العلماء قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانے میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماعیت کی کوشش، فتنہ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علومِ اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ، سفرا و محصلین آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر صدقات و عطیات کی وصولیابی کا کام انجام دیتے ہیں، لیکن اس وقت پورے ملک میں کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن ہے، ایسے حالات میں سفر کرنا دشوار ہے۔ اس لئے آپ کے عطیات کی فراہمی بینک کے ذریعہ ہی بہتر ہے۔

لہٰذا آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

عطیات	A/c. No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c. No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c. No. 1086 3759 766

ONLINE DONATION LINK

https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 7275265518

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیرا الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا